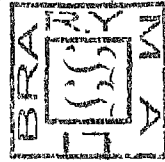


کتابخانه جامعہ اسلامیہ
لاہور

مستثنوی

گلزارِ مہم



مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب نجر گھنوی

بہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس میں چھپی

دسمبر ۱۹۲۵ء

مقدمہ

شہسوار کا نام لکھنوی کشمیری بیڈت اور عمد شاہی میں فوج کی منبری پر فرما رہے تھے جو اس عہد میں نہایت مغز عمدہ خیال کہا جاتا تھا۔ سخن پرستی کا دور دوو تھا۔ آتش و آتش کی شاعری کے سکے جاری تھے۔ دور اول اتاروں کے جوں سال اوجان طبیعت تاملہ و زہرہ صبا۔ زندہ خلیل و غیر کی طبع آرزو مائیاں چہستان سخن میں گل کا رباں کر رہی تھیں۔ بندت سبھی طبعی ذوق رکھتے تھے۔ اور خواجہ آتش کو کہہ مشق شاگردوں میں تھے۔ جدا اصناف سخن میں بڑے کھلف جو دست طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس کا بڑا عیب کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف انکی مشہور و معروف تصنیف نگار انیس کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

CHECKED-2002

غینوی نگار انیس کا عہد شاہ کو زمانہ نہیں تصنیف کی گئی۔ تصنیف ۱۷۵۳ء اور ذوقی آخر میں بیڈت ہی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مروجہ ہے کہ لڑنا سرکہ خام کر دیا۔ نگار انیس نام نہاد ہاشمید نوید ہلفے واوہ تھے قبول روز تیش ماہ اس میں ایک کلام نہیں کہ غینوی اپنے رنگ میں الجھا ہے اور حسین کی شہسوار کے بعد جو شہرت جو قبولیت میں غینوی کو حاصل ہوئی وہ کسی تصنیف میں ہوئی اختصار کی تہیل خوبی کو علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مران نظر سے بہت کم اور کچھ سجدہ ہجو لطف کی کہ غینوی نے جہد خود سے لڑھا جاکے ذائقہ سخن بڑھا جانا ہو اور جب ہن اسکے ذوق اور نزاکت فن تک پہنچا ہے تو جو بدائی بیفت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس کی ہجو لطف و تعارف اور نازکیاں کی بونے ہو جو میں جو اردو شاعر کی تمنا آرتی کی خبر دیتے ہیں۔ لگاتار اس کو کوڑ خاطر لکھتے ہوئے نگار انیس نے تغیر فرمائی جانے تو کیا ترقی یافتہ شاعر کی ہستے ارکان کل دکھائی دیتے ہیں۔ اختصار تو اس شہسوار کی بنیاد ہی کھائی ہو اور یہ اثر اول سے آواز تک قائم ہو۔ نازکیاں اور جو دست طبع کے نمونے بھی جا جا کر ہر زبان کی طبع خوشنالی کر لے ہے۔ چونکہ اردو شاعر کی ابتدا سے فارسی کی آیت ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات میں لغت شروع ہوتی ہیں اور طریقہ مسلمانوں ہی میں لکھ نہیں بلکہ اہل ہند بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ بیڈت دانتا کشمیر نے بھی اپنے غینوی میں ان اصول کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کے ساتھ چار بیتوں میں اس سجع میں ان کو لکھ گئے ہیں۔ غینوی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے ہمارے یہاں میں کیسا تہہ تہید و تہجد کو دست گرماں کی ہے جو انکی شہسوار اور قدرت سخی پر دل ہوسے ہر شاخ میں ہو سکو نہ کاری۔ مگر ہجو فہم کا حجاب ہی۔ گرا ہو ذوق و زبان کشمیر حیرت و دست پیر۔ پانچ آنگھو سٹ یہ حرف نے ان کو یہی پستہ اختیار ہو چھم اسپہ ہوئی سخن پرستی۔ گرا ہو زبان کی پستی چاروں بیتوں میں سلسلہ بیان۔ تہذیب خیالات مناسب لفظی لطف بان۔ جذبہ خیل۔ جو دست ذہن۔ اور نزاکت فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شہسوار کا کافی حد تک موجود ہیں۔

جملہ اصلاً آغاز میں جمہ نعت المزم و ملزم ہوا۔ اس طرح سنا جاتا بھی ضروری چیز خال کیجاتی تھی یہ دستور بعض ایشیا کے شہزادوں میں
 محاورہ نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات خرد و اعظم غنکی سے سیرت سے بھی گلزار اسیر میں محاورہ
 نعت کے بعد مناجاتیں اختیار فرماتے ہیں اور عبادت کی تہنیک۔ بلاغت در فی زبان کی کافی دوفی شہادت دی ہو
 لیکن اختصار کی جہ سے تیسرا اور چارچون شہر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہو جس سے بڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہو۔
 یارب و خواصہ کو زبان و ہنقاہ نہ ہر دو تہاں و ہا نسا نکل بجادلی کا ہنسوں ہو بہا عارضی جگہ ہر چند یہ سنا گیا ہو اس کو
 اردو کی زبان میں سنگھو + نہ تھرا داؤظم دون میں، اس کو کو دواؤ تہہ کر دوں میں، ہر چند جو گراہل فن سلطان شہزادوں
 آگے آگے فرغ فرمایا ہو سوچ کو برآش ہو دکھانا ہر بحر سخن سدا ہو باقی ہو یا نہیں کار جہ ساقی، غنہ سے زبان نکیتہ میں ہو کہ
 لکہ ہر ای اہل خاتمہ میں کہ ہجرتی سے کر ہو لوگوں کو شیر ہر گتہ سیر باع کشمیر غنہ ہوں سپند خوشیانی ہر جہل ہو ہصا زہر خونی
 جو نقطہ لکھوں، کہیں حرت لکے، مرکز پیشش مری پہنچ جائے۔ آتب کچھ کتابیں غز و کتا یہ کو دکھائی جاتی ہیں اس
 مرتبہ پر اشارات کی تہنیک کے ساتھ خیالات میں سوزلی اور طرز بیان میں سچپ شوخی قابل داد ہو۔ عاشق و معشوق کی انداز

طبعی اور صنعت محکا لہ سے کسا گئے تہنیک استعارہ اور محاورات کی جو مبالغہ آمنا حتی واکر مری ہیں وہ
 جبکہ ہر صبح ہو گا فاش خندان اٹھا ویش اس طرح کہیں کام کرانا بے زار کتا لی نے جانا۔ ہنستہ ہنستہ کہا ہنستہ کہوں
 ہنستا نہیں سب کی ہوں بولا وہ کہ خواب کیتھا تھا آتش کی باب کیتھا تھا بولی کہ ہنستا نہیں تعبیر دہلوی کی کر گیا گویا لکیر
 بولا وہ کہ رانا تو فی میں خورشید تھا آتش تو فی میں بولی کہ ہنستا نہیں روز عالم میں ہو کر ذوق از روز بولا وہ کہ مقام ہو تھا۔
 گلزار خلیل رہ رہ رہ تھا۔ بولی وہ بشر ہو تم دلاؤ سرسبز ہو قوم آتشی پر بولا کہ کھنکی کہ کشتال شعلہ ہوا آگن میں تھماں
 بولی کہ شہد میں ہی ہوں جو بلخ نماز ناجی ہوں بولا کہ جب ہوا جالا بخشا مر آگن نے ہالا ہا لہ آگن کا کیا تھا
 وہ ہارتھا جو گلہ پڑا تھا گھبرائی ہو کر ہی ہن کیا ہو بولا وہ کہ ہار لو لکھا ہو کاندہ و بھجائے لٹ الا ہجرتی موہہ خیلہ والا،
 عبادت تہنیک لٹال کی جگہ کی نہیں تہنیک کے کلام کی مقبولت اس حد تک پہنچائی ہو کہ شہنوی کہ اشارہ ضرب المثل کے
 موقع پر گزشتہ ہوتو ہیں تہنیک سے ہر دو ماٹن پتھر کر ڈر باہر دامن کیا سلف جو عیر زہر جکولی جاوہر جو ہر جکولی
 گلزار تہنیک سے ہنستہ نوبی یہ ہو کہ وہ اول ہو تہنیک ایک ناک میں شرط ہو ہر جو روش شروع میں نیتیا لکھی دہ آخر
 بنا قائم ہو جسے پہلا اختصار کو لیجئے۔ اس کی نسبت ہر جو لہان تہنیک کا بہت رت و دعویٰ ہو کہ کسی جگہ سے اگر ایک
 بھی کہ کر بجائے تو قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ تہنیک نسبت لفظی کی حالت ہو کہ شہنوی کی ہر بیت جو تھی کی کہن
 معلوم ہوتی ہو تہنیک کش کر نیوالی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو انہیں صنعتوں کی

جھلک جھلکاتی دکھائی سے ششلا سے ہاتھ مہر گڑا نہیں ہو۔ بو ہو کو تو گل اڑا نہیں ہو۔
 خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صلیبت میں تان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ غیر گلزار نہیں کہ کما حقہ
 چل سکتا ہو۔ اسکے نام مطالبہ اس پر یہ نہیں لدا ہے جس میں فراق وصال کے مناظر و خیالی بنیادیں محض جذبات و محسوسات قلبیہ
 پر منحصر ہوتی ہیں صنائع و بدائع کے محتاج نہیں بلکہ جہد سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی ہنر ہو لیکن نتیجے
 اپنا رنگ قائم رکھنے کے لیے مناسب لفظی کو بہت دور قائم رکھا ہو بلکہ سچ تو یہ ہو کہ ان مؤرخوں پر اسکے
 سحر طرز فہرے پورا جادو دکھایا ہو۔ ایک جگہ اصل کی تصویر اتار نہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہے

کاوش پہ ہوا گھر سوا مالک اپنے طے ذو بھائی تم کی بیاسی : ہتھر ہر کجا دل گدا ر منع بھیجے میں جو الفاظ اور
 خیالات صرف کئی نہیں مصلح کاری کا پورا پورا رخا اور اگر وہ جو سے عورت میں خیالی کہی وہ بہتیت میں مثال رہی وہ
 جذبات سچ و نرم اور غنی و غنی کا منظر اس نئی دنگل انہیں کی جان ہے جب بکا کی کا پھول چوری گیا ہو اور
 اسے غصہ کی حالت میں لڑائیوں بانڈیوں اور برائے کے مخالفوں کو کتاب پیر عزوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا
 نقشہ جو ہمیں غم کی جلیبی ہوئی تصویریں تیس کے زیورات کے لہدی پھندی دکھائی تھی میں جو حیرت و کام میں
 مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلامذہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گہ آبی کرتے ہوئے

زور بر بیان کیا بودی ہو سے سنبل مرزا زانیہ لانا شمشاد سوسلی بڑھانا کرکس نگاہ بڑیاں میں
 سوچنے زلمہ را دروا میں بیتا بھی چکا گوہرے پایا کہنے لگیں کیا ہوا خلیا اپنی نہیں یہوں لگیں کون بیگانہ تھا سبز کسوں
 شبنم کے سوا چرانے والا اور کاتھا کون آئی والا اوباد صبا ہوانہ بتلا خوشبو ہی گلیا پتا بتلا اگلی بوجہ کہہ کر شمشاد
 تھا اور خود اسلئے سکے فراد۔

اس قسم کی مثالوں ششلا کی اور میں چل رہی ہو۔ اولے مطالب کی جلوہ گری آپ ہی نظر ہے۔ زبان کی عمدگی و عادت
 کی خوبی صنائع و بدائع اور محاسن عری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم جیتی بندش جس میں سب ہی کچھ
 موجود ہے اتنا فرور ہے کہ حسن نظری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گو یا اتنا سے اتنا تاک دردی آ رہی ہے۔
 بندت جی کی آئے و فغان کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور شاعری لکھے کہ اس کی کو پورا کر لیتے۔ انھوں نے اپنے شاعر
 (آتش) کے سامنے ششلا سے پہلے ششلا کیا اور "گلزار انہیں" اپنی یادگار چھوڑی جو اولہ زبان کی بقا موجود ہے کہ

سلا ہما بری نہ بیگی ۷
 مرزا خدا علی خجھر کھنوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ثرہ ہے قلم کا حمد باری
 حرق و مدحت ہمیں
 یعنی کہ مطہر بختن ہو
 کرتا ہے زبان کی رشیدی
 گلزار نسیم کی ترتیب کی واسطے
 منتظر ہزارا داستان دے
 ایشوں ہو بہار عاشقی کا
 اردو کی زبان میں سخنگو
 اس سے کو دو آتشہ کروں میں
 سلطان قلم و سخن تکتے
 سورج کو چراغ سے دکھانا
 دریا نہیں کار بند ساتی
 رکھ لے مری اہل خامیہ میں نوک
 نیرنگ نسیم بارغ کشمیر
 جدورل ہو حصار سحر خوانی
 مرکز پر کشش مری ہو چج جائے
 یوں نقل ہے خامیہ کی زبانی
 سلطان زمین الملوک زیجاہ
 دشمن کش و شہر یار تھا وہ
 دانا عاقبت نہ کسی خرد مند

ہر شاخ میں ہو نگو نہ کاری
 کرتا ہو یہ دوزباں سے یکسر
 پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہو
 خاتم اس پہ ہوئی سخن بدستی
 خواہنگاری خباب باری سے شہسوی
 یارب مرے خامیہ کو زبان سے
 ایسا نہ گل بکا و ملی کا
 ہر چند سنا گیا ہے اس کو
 وہ نثر ہے داد نظم دوں میں
 ہر چند اگلے جواہل افز تھے
 آگے ان کے فروغ پانا،
 پر بحر سخن سدا ہے بارتی
 طغنے سے زبان نکتہ چیں بودک
 خوبی سے کرے دلوں کو نسیم
 نطقے ہوں سپید خوش بیانی
 جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے
 داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زمین الملوک بادشاہ مشرق کی
 روداد زبان پاستانی
 پورہ بایں ایک تھا شہنشاہ
 لشکر کش و تاجدار تھا وہ
 نالقی نے دیے تھے چار فرزند

پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
 خورشید محل ہوا نمودار
 وہ رخ کہ نہ کھٹے آنکھ جیسے
 چشمک تھی نصیب اس پر رگو
 ثابت یہ ہوا اشارہ نہیں سے
 پھر دیکھ نہ کیے گا کسی کو
 مانند سرشک دیدہ تر
 پستلی سا نگاہ رکھ کے پالا
 پالاتاج الملوک رکھ نام
 مانند نظر رواں ہوا وہ
 نظارہ کیا پردے ناکاہ
 رہنمائی کے چہرے پر نظر کی
 کی نور بصر سے خیمہ پلوشی
 چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
 اس ماہ کو شہر سے نکالا
 خارج ہوا نور دیدہ کور
 لایا کوئی جا کے سرمہ طور
 بنا نہ ہوا وہ دیدہ کور
 مختار ہے جس طرح نہا ہے
 کا تجویز کمال تیل اش گل بکاؤلی کو
 یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
 عیسے کسی تھیں اُس نے آنکھیں کھینچیں
 سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

فٹہ ایک اور نے جمایا
 امید کے نخل نے دیا بار
 وہ نور کے صدمے ہر انور
 نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
 خوش ہوتے ہی طفل مہر ہیں سے
 پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
 نظروں سے گرا وہ طفل ابر
 پردے سے نہ واپس نے نکالا
 تھا افسر خسروان و گلف نام
 جب نام حسد اجواں ہوا وہ
 آتا تھا انکار گاہ سے شاہ
 صاوا آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
 مہر لب مشہ ہوئی خوشی
 دی آنکھ جو شہ نے رونمائی
 رہ چند کہ یاد شہ نے ٹالا
 گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور
 آیا کوئی لے کے نسخہ نور
 تقدیر سے چل لا سکا نہ کچھ زور
 ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے
 جانا چاروں طرف شاہزادوں
 پایا جو سفید چشم صفا
 تھا ایک کمال پیر دیریں
 وہ مرد حسد اہست کراہا

بلکوں سے اُسی پہ مار چنگل
 ہر مہر گیا اُسی چمن کی
 لوگوں کو سر شگوفہ ہاتھ آیا
 رخصت کیے شہ لے چارناچار
 لشکر اسباب خیمے خزر گاہ
 یعنی تاج الملوک ناشاد
 دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا
 جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
 جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
 دیدار پلہ سے ہو گیا کور
 مطلوب گل بکاؤنی ہے
 گلشن کی ہوا سائی اوسکو
 قسمت پر چلا یہ نیک اختر
 کا چوسر پھیل کر دلبر بیوا سے
 یوں لائی ہے رنگ بدتر از می
 صحرا صحرا و کوہ در کوہ
 گل کا نہ پتا لگا کسی سے
 فردوس تھا اُس مقام کا نام
 ٹھٹکے سیارے کمانشاں پر
 جویاے گل اسطون حایین
 اُس ماہ کی واپا و جاہم وزر
 نقتارہج لوسوے دلبر آیا
 تقارہ و چوب میں علی چوٹ

ہے باغ بکاؤنی میں اک گل
 خورشید میں یہ صنیا کرن کی
 اُسے تو گل ارم بتایا
 شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
 شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ
 وہ باد یہ گرد حنا نہ برباد
 میدان میں خاک اُڑا رہا تھا
 پوچھا تم لوگ خیل کے خیل
 بولا لشکر کا اک سیاہی
 سلطان زین الملوک شہزور
 منظور علاج روشنی سے
 گل کی جو خبر سنائی اُسکو
 ہمہ کسی لشکر کی ہے ہو کر
 غلام ہونا چاروں شہزادوں
 نقطوں سے قلم کی مہر بازی
 یک چند بہرا کیا وہ ابنوہ
 بیل ہوسے سب ہزار جی سے
 وارد ہوئے اک جگہ سر شام
 اک نہر تھی شہر کے برابر
 اک باغ تھا نہر کے کنارے
 دستبر نام ایک بیہ انتھی
 دروازے کے فاصلے پہ گھر تھا
 بجا و بجانہ سمجھے اسجان

اور یہ وہ لگی ہوئی تھی جس شخص کو مالدار بانی ٹھلا کے جوے کا ذکر اٹھا کر جیت اسکی تھی ہاتھ جو چکھ آتا تلی کا سر چراغدا ان تھا اٹھاتی اڑھی پہ قسمت آسا جیتے ہوئے بندے تھے ہراڑں ستادنی لائی بھانٹ کر صید گھاتیں ہوئی دلربائیوں کی رنگ اسکا جاتا تو لاکے جو سر وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل نہ تھے مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے بد بختی سے آخری جو اٹھا دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا زندان کو چلے چل چھیل کر لشکر میں سے جو گیا سو سے سہر جیتا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گان کجاوئی لانا زر گل جو ہے ار م سے جانا پگ رواں کا گردا لشکر پایا جو سسہ ہوا کہ یا لہی تھا ایک کجاں تے لیکھے چلکر وہ مرد خدا ہستند پایہ

آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی باہر سے اُسے لگاکے لانی جو سر میں وہ لوتی سرا سر اُسکا کوئی ہتھکنڈا نہ پاتا جو ہا پائے کا پاس بان تھا بنی جو دیا تو نوش یا نسا قسمت نے پھنٹے یہ بھی جاڑوں کروسی پہ بٹھائے نقش اُمید رہاتیں ہوئیں آشنا یوں کی کھیلی وہ کھلاڑ بازمی بد کرم بازمی جو سر کی کھیل نہ تھے سامان ہارے تو سر پہ پھیلے بسدا ہونا بدوا ہوا تھا پیچھے میں پھینے تو جھکے چھوٹے پو پھلتے ہی جگ اٹھا لوٹا نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر پانی سا پھر انہ جان نہن چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گان کجاوئی یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے یعنی تاج الملوک ابتر لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی گذرا در باغ زیوا پر نکلی اندر سے ایک داہ

ہمشکل یہ مسہ لقا ہتا اُسکا
 فرزند اسی شکل کا تھا میرا
 طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
 مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
 گھر لائی ہنسی خوشی سے اسکو
 اک ایک کی کر رہا تھا خواری
 شہزادے نہ ہم نہ بیوا تم
 بولا وہ عسزب سن تو مادر
 شہزادوں کو بننے نہج کیا ہے
 دلبر اک بیوا ہے خود کام
 چوسر میں وہ لوتی ہوسر کو
 وہ لئی کے سر پہ چوسے کے ہاتھ
 بندے ہوئے ہار کر زرو مال
 صدمہ ہوا درد سے کہا ہاے
 سوچھانہ اٹھیں یہ دیکھو اندھیر
 جیتے ہیں توجیت لینے ناگاہ
 نیولے نے بھگا دیا دکھاسان
 پنولا پھڑ آستین میں پانلا
 گھوما وہ رنگ زد گھر گھر
 وہ صاحب جاہ دل سے تھانیک
 بخشتا سے اسپ و جامہ وزر
 جاننازی کو سوئے دلبر آیا
 نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

لو کا کوئی کھو گیا ہتا اُسکا
 بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
 بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
 لیکن یہ میں جانتا ہوں دلبر
 بیٹا وہ تبجھ کے جی سے اُسکو
 جاتے تھے ادھر سے تھہ جواری
 کہتے تھے فریب دو گے کیا تم
 ذکر اپنے برادروں کا سنکر
 کون ایسی کھلاڑ بیوا ہے
 بولی وہ کہ ہاں جو ہے بد کام
 تلی پر چراغ رکھ کے شب کو
 پانے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
 شہزادے کہیں گے تھے بد قبال
 بھائی تھے جو سن خون کہاں جائے
 پانے کا چراغ کا اولٹ پھیر
 سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ
 اک لئی جو چھٹی جو ہو اکو بھانپ
 سمجھا وہ کہ ہے شیگون زالا
 چوسر ہی کے سینے کو یکسر
 اک روز اُسے ملیا امیر ایک
 اخراٹ سمجھ کے لے گیا گھر
 اُس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا
 ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

آواز وہ سن کے در پہ آئی
 کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھانا
 وہ کچشم و چراغ بیسوا کے
 نیولا وہ کہ مارم ستین تھا
 بلی تو چراغ یا تھی خاموش
 ہنس ہنس کے حریف نے رُلا یا
 بارے بہ سزار بددماغی
 پانے سے چلی نہ جل سازی
 سب بارے کے نقد و جنس بائے
 بنیا دجو کچھ تھی جب گنوائی
 پھر پانے نے کی نہ پاسداری
 پانے کی بدی ہے تم شکارا
 دانا کرے کب اس طرف میل
 بارے دیکھا جو بیسوانے
 سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے
 بونی بہ سزار عجز و زاری
 لونڈی ہوں نہیں عدول مجکو
 بولا وہ کہ سن یہ تکھندے چھوڑ
 یہ مال یہ زریہ جیتے بندے
 بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
 بولی وہ سنو تو بندہ پرولا
 انسان و پیری کا سامنا کیا
 شہزادہ ہنسا کہا کہ دہسہر

ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی
 چوسر کا جما وہ کارخانہ
 کرنے لگے تاک جھانک آ کے
 چٹکی کے بجائے ہی وہیں تھا
 بل ہو گیا موش کو فراموش
 مانند چراغ اُسے جلا یا
 لی خضر نے غول سے چراغی؟
 اُڑھی وہ بسا بسا کے بازی
 جیتے ہوئے بندے بد کے ہائے
 تب خود وہ کھلاڑ مہرے آئی
 ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
 راجہ نل سلطنت ہے ہارا
 ہارا ہے جو بے کے نام سے ہیل
 بندہ کیا غنیمت کا خدائے
 شادی کا فرہ نہ کیا کی رہیے
 تم جیتے میاں میں سے ہاری
 خدمت میں کرو قبول مجکو
 تقارہ درکو پوج سے توڑ
 یو نہیں انھیں رکھو جنس چندے
 انشاء اللہ فرماتے ہیں ہم
 سگوار ارم ہے پریوں کا گھر
 سٹھی میں اہوا کا تھا منا کیا
 پھر بات نہیں جو رکھیے دلپر

ہر چشم پر یں جاے مردم
 جانتے ہیں کہا خدا نگہبان
 یا مردی سے اسپہ لات ماری
 جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ
 اللہ کے نام پر تھلا وہ
 بچاؤ لی میں اور گل لیکر بھرنے
 یوں حرفت میں نقش پائے خاصہ
 یعنی تاج الملوک دل زار
 صحراے عدم بھی تھا جہاں گرد
 عنفت تھا نام جاؤر کا
 نقش کف پاتھی ریاک ماری
 یا ریاک رواں تھی یا وہ رہرو
 اک دیو تھا پاساں بلایی
 دو تھنے رہ عدم کے نائے
 تسلیم کیا قضا کو اس نے
 فاقوں سے رہا تھا بھانک کر خاک
 حلوا بے دود نے گماں تھا
 اللہ اللہ شکر احساں
 اندیشے سے رہ گیا دہل کے
 سبحان اللہ شان تیری
 پُر آکر دروغن و شکر سے
 غم آئے ہوئے شکر لایا
 دم اسکا نہ اس گھڑی سما یا

انسان کی عقل اگر نہو گم
 یہ کہہ کے اٹھا کہسا کہ لوجان
 دولت تھی اگرچہ اختیاری
 جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ
 درویش تھا بندہ زخند اوہ
 پہونچتا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر
 کرتا ہے جو طے سواد نامہ
 وہ دامن دشت شوق کا خار
 اک جنگلے میں جا بڑا جہاں گرد
 سائے کو پیتا نہ تھا چشم کا
 مرغان ہوا تھے ہوش راہی
 وہ دشت کہ جس میں یر تک و دو
 ڈانڈا تھا ارم کے پاشا کا
 دانت اُسکے گوکر کن قضا کے
 سر پر پایا بلا کو اس نے
 بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
 بے ریشہ یہ طفل لوجاں تھا
 بولا کہ چکھوں گامیں یہ انساں
 شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے
 پہل مارنے کی ہوئی جو دیری
 اُشتر کئی جانے تھے ادھر سے
 وہ دیو لیک کے مار لایا
 اونٹوں کی جو لوتھیں دیو لایا

بیٹھا تو گر اگر تو بیہوش
 یا بھاگ سکو تو راستہ لو
 سب ٹھاٹھ تھے مہانوں کے
 خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا
 گڑے جو مے تو زہریلوں دو
 شیرینی دیو کو چرماھائی
 حلوے سے کیا ٹھنڈا سکا بیٹھا
 لے آدمی زاد واہ واہ
 کیا اسکی عوص میں دوئیں بچھ کو
 پھر میں جو کہوں قبول کیجے
 بولا کہ سے قول جان کے ساتھ
 بد عمدی کی بھم نہیں سہی ہے
 بولا کہ ارے بشر وہ گلبن
 اندیشے کا واں گزر نہیں ہے
 داں رنگ زمین زمیں پہ اٹھ
 بچتا نہ یہیں تو حنیس ہارا
 شاید کچھ اُس سے بن پڑے طور
 کہ وہ مثل صدا سے سٹوہ آیا
 سے پیسیر یہ نو جوان ہارا
 کوشش کر دو کام خیر کا ہے
 چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک
 لے خواہر مہربان سلاست
 رکھو اسے جس طرح مری یاد

یورا کے وہیں وہ بار بردوش
 چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
 وہ اونٹ تھے کلروانیوں کو
 میدا بھی شکر بھی ٹھی بھی پایا
 بیٹھا اس دیو کو کھلاؤ
 حلوے کی بچا کے اک کرطا ہی
 ہر چند کہ بھتا وہ دیو کرطا
 کتنے لگا کیا مڑا ہے دستراہ
 چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
 بولا وہ کہ پہلے قول دیجے
 وہ ہاتھ پر اسکے مار کر ہاتھ
 بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے
 گلزار ارم کی ہے مجھے دُھن
 خورد شید کے ہم نظر نہیں ہے
 واں موج ہوا ہوا پہ اذدر
 ہوتا نہ جو قول کا سہارا
 رہ جا مڑا کھائی ایک ہوا اور
 اک ٹیکرے پر گیا بلا یا
 حال اُس سے کہا کہ قول ہارا
 مشتاق ارم کی سیر کا ہے
 تامل نام دیوانی ایک
 خطا سکو لکھا بایں عبارت
 پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد

وہاں ہے کیسب نواز شش ،
 پہونچا حالہ پاس بے ریو
 نیبھے ہوئے کو گلے لگایا
 زبور کے گھر میں انکسین بھی
 لے آئی بھی دیکھے دیوتی دم
 محمودہ کے گلے لگایا
 دو وقت سے شام کو لے وہ
 پر دو رہا ماہ میں کتاباں میں
 خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
 کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
 جو نکلے کو گلے کرے صبا ہی
 گل پانوں تو میں ابھی ہوا ہوں
 یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
 بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی
 کہتے سنتے اُٹھے سویرے
 ہجاس ملا نکالے ارمان
 دل سرور ہا بغل ہوئی سگرم
 وہم اُسکو ہوا پچھ اور بھی
 درماں ہی کہ در دلا دوا ہے
 تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
 تارے تو اتاروں آسمان سے
 محمودہ نے کہا کہ مادر
 مطلوب بگاڑی کا ہے پھول

انسان ہی چاہے کچھ جو سازش
 خط لے کے بشر کو لے لڑا دیو
 بھائی کا جو خط بہن نے پایا
 اُس دیوتی پاس اک حسین بھی
 محمودہ نام دُخت آدم
 جو لڑا ہجاس باکتیہ آیا
 دین بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ
 تھے ضبط و حیا کے امتحان میں
 آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
 بولا وہ فرودہ دل سحر گاہ
 بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
 بولا وہ پختی تو چاہتا ہوں
 پیرا رہن گل کی تو بھی مطلوب
 اول کہی بد بنگا ہی اپنی
 کھولی بھی زبان منہ اندھیرے
 پوچھا حبتالہ نے مہربان
 بونی وہ کہتے آتی ہے سرم
 ناکامی کے جب وہ طور بھی
 پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
 بونی وہ کہ ہے تو درد نیکن
 وہ بولی جو تو لے زباں سے
 چہرے کو بھیا کے زیر چادر
 باپ اسکا ہی اندھین ہی جموں

ل داغ اسکا برائے گل ہے
 سامی کھی بدل یہ کہنے والی
 دیوؤں سے کہا کہ چو ہے بجاؤ
 سن حاجت نقب بہر گلشت
 پوشیدہ زمیں شے دلیں کی راہ
 جب مہر تر زمیں سما یا
 سخن جبین ارم میں اک جا
 کھٹکا جو ہنگا ہیا نوں کا کھٹا
 گوتے میں کوئی لگانہ ہووے
 گو باغ کے پاساں غضب تھے
 زگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
 خوش قد وہ چلا گل دامن میں
 ایوان بکاؤلی جدہ تھیا
 رکھتا تھا وہ آب سے سواتاب
 پھول اسکا اندھے کی دوا تھا
 پانی کے جو بلبوں میں تھا گل
 پوشاک اتار آتر کے لایا
 نعل لے کے بڑھا ایاغ برکت
 بارہ درمی داں جو سونے کی تھی
 گول اسکے ستوں تھے سیاہ جو
 دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
 پردہ جو حجاب سا اٹھایا
 بند اسکی وہ چشم زگسی تھی

زگس کے لیے ہوا سے گل ہو
 راہ اُسے سُرنگ کی نکالی
 تا باغ ارم سُرنگ پہونچاؤ
 کرا چو ہوں نے دامن و نشت
 جد بانڈھ کے خوش پھرے اسی راہ
 اُس نقب کی راہ وہ آدم آیا
 دھڑکا سا تر زمیں سے اٹھلا
 دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
 خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
 خواہیدہ برنگ سبز ب تھے
 سوسن کی زباں خدانے کی بند
 شمشاد رواں ہوا جن میں
 حوض آئینہ وارم و درہتھا
 چندے خورشید و چندے متاب
 رشک جام جہناں نما تھا
 پہونچا لب احوض سے نہ چنگل
 پھولا نہ وہ جامے میں سما یا
 چوری سے چلا چراغ برکت
 سو خواب گر بکاؤلی کھی
 چلن ٹرگان چشم محمور
 محراب سے در سے چشم وارو
 آرام میں اُس پر می آکویا
 بھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی

بر جوں پہ سے چاندنی تھی سر کی
 بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
 سوتے ہوئے تھے کو جگا دے
 ہر سانپ کے منہ میں انگلی دینی
 یہ کالے چراغ کے ہیں دامن
 خندہ نہو برق حاصل گل
 کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
 ہمراہ خط عاشقی سندلی
 سایہ بھی نہ اُس بری پہ ڈالا
 اندیشے کی طرح سے سما یا
 نکلا تو وہ ماہر و شتاباں
 اُس نقب کی آرتیں سے نکلا
 دونوں بھین آہی کی نظر وراں
 اُس نقب کی رشتہ بندیاں کیں
 گلچیں کی تلاش میں
 یوں بلبل خامیہ نعرہ زن ہے
 اور غنچے صبح کھلکھلایا
 یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
 اُبھی بکھت سے فرس گل سے
 پر آب وہ چشم حوض پائی
 کچھ اور ہی گل اکھلا ہوا ہے
 جھنجھلائی کہ کون دیگیا جیل
 ہر ہے مجھ خار دیگیا کون

سمٹی تھی جو محسوم اُس قمر کی
 لیٹے تھے جو بال گردوں میں
 چاہا کہ بلا گلے لگا دے
 سو چاکہ یہ زلف کف میں لینی
 پھول انھیں ازاد ہونکا ہر من
 گل چمن کے ہنسی نہو دے بالکل
 پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی
 آنحضرتی اپنی اُس سے بدلی
 آہستہ پھرا وہ سر و بالا
 ہیبت ساز میں کے دل میں آیا
 جب نقب افق سے مہر تاباں
 گل ہاتھ میں مثل دست بیضا
 وہ دیوئی اور وہ دست انساں
 گل لے کے جب آ ملا وہ گلچیں
 آوارہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک
 گل کا جوالم چمن چمن سے
 گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا
 وہ سنبہ باغ خواب آرام
 جاگی مرغِ سخن کے غل سے
 منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
 دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا سے
 گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل
 ہر ہے مرا پھول لے گیا کون

ہوتے تو پھول اڑا نہیں ہے
 سوسن تو بتا کہ ہر گلیا گل
 شمشاد انھیں سولی پر چڑھا نا
 ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید
 سوسن لے زبان درازیاں کیں
 کہنے لگیں کیا ہوا حسد آیا
 بیگانہ تھا بڑے کے سوا کون
 تھا اد پر ہی کون آنے والا
 جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
 غفلت سے یہ پھول برڑی اویں
 پستی وہی جستم حوض کا تھا
 اس گل کو ہوانہ دیتی تھی میں
 غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ بھڑتا
 مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
 خوشبہ ہی سٹھاپتا نہ بتلا
 گل تو ہی دمک بتا کہ ہرے
 تھی بڑے سے راست ہو بر اندام
 تھا دم بخود اسکی سے فریاد
 جھریک تھا ہا تم مل رہا تھا
 گلبرگ سے کہن لگی وہ ملنے
 دست آدین اسکی لڑتے آئی
 انسان کی دست برو جانی
 نہا تم بھی بدل یا سہے ہد ذات

ہاتھ اسے اگر پڑا نہیں ہو
 زگتے تو دکھا کہ ہر گلیا گل
 سنبل مرا تا زیا نہ لا نا
 تھرا میں خواصیں صورت بید
 زگتے نے نگاہ بازیاں کیں
 پتا بھی پتے کو جب نہ پایا
 اپنیوں میں سے پھول لیکیا کون
 سنبل کے سوا چرانے والا
 جس گھٹ میں وہ گل ہوا رخ ہو جائے
 بولی وہ بجا ولی کہ اتسوس
 آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
 نام اسکا صبا نہ لیتی تھی میں
 گلپیں کا جو ہا ہے ہاتھ رٹھا
 ادھار پڑا نہ تیسرا خچل
 اوباد صبا ہوانہ بتلا
 میل تو چمک اگر خسبر ہو
 لڑاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام
 آنکھی لب جو پر رہا کے شمشاد
 چرخل تھا سوچ میں کھڑا تھا
 زان اسکا عرض لگا بدلنے
 بدلے کی آنکھ تھی ڈھیلی پائی
 خاتم تھی نام کی نشانی
 ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیماست

وہ ہاتھ لگے کہیں حند آیا
 کھال اسکی جو کھینچنے نزار ہے
 خوں روئی لباس تو کیا چاک
 بنرے کا ساتار تار و اماں
 اب پھین کہاں بگاڑی کو
 آندھی سی اٹھی ہوا ہوئی وہ
 گلپیں کا کہیں پتا لگاتی
 ہر شاخ پہ چھوکتی پھری وہ
 اُس رنگ کے گل کی بو نہ پائی
 پتا کہیں حکم بن بلا ہے
 فقیر کے پیچھے پر اور آزار مانا گل کا
 اب صفحہ پہ یوں ظلم پھرا ہے
 یعنی تاج الملوک حق ہیں
 محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
 بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
 جو بن کی طرح اُسے اُبھارا
 رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
 ہنگام سحر ہوا شتاباں
 اُس کو بی پاس آئی مضطر
 رخصت کی طلب سنائی اُسکو
 دیوؤں سے کہا کہ تخت لے آؤ
 جب وقت بڑے دکھائیو آگ
 پر واز کناں ہوا یہ جا کے

جنے مجھے ہاتھ سے لگایا
 عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے
 یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک
 گل کا سالو بھرا گریباں
 دکھلا کے کہا سمن پیری کو
 تھی بسکہ خبار سے بھری وہ
 کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی
 ہر باغ میں چھوکتی پھری وہ
 جس تخت میں مثل باد جاتی
 بے وقت کیو کچھ ملا ہے
 پہونچتا تاج الملوک کا ایک اندھے
 پھرنا جو وطن کا مدعا ہے
 وہ گلشن مدعا کا گلپیں
 جسوقت وہ گل جن سے لایا
 کتنے لگی بو مراد پائی
 گل کی وہ غرض کہ آشکارا
 جب دیو سیاہ شب سے مہتاب
 اور گل لیے آفتاب تاہاں
 وہ مردوش اور وہ ماہ پیکر
 گل کی وہ غرض جتائی اُسکو
 کیا کہتی وہ دیوئی کہا جاؤ
 دو بال دیے کہ لومری لاک
 دیوان کو سر پر بٹھا کے

بولے کہ کہ ہر چلو گے کہدو
 وہ مڑ کے اُدھر کو اڑے آئے
 وقت سحر اور خنک ہوا تھی
 چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا
 صدے ہو کر کہا خوش آئے
 ہمراہ یہ کون دوسری ہے
 بولا شہزادہ شکر ہے ہاں
 محمودہ نام ہیں جو یہ ساتھ
 جتنا جو پھاوہ رشک شمشاد
 شہزادے نے بھائیوں کے نام
 جھوٹوں اُسے تھا انکو تاپا
 داغا تو چلے تفرنگ سے وہ
 بچھوڑا پوس گل وچمن کو
 بندوں کو کیا جب اُسے آزاد
 اسباب کو کشیدیں یہ کر بار
 جب متصل آ گیا وطن کے
 سو جا میں خود ہوں خانہ برباد
 لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیے
 لنگر کا اُنھیں کیا اشارہ
 وہ تو رہی کر کے جو گیا بھیس
 تیسے پختہ پیر اندھا
 تھا نقش قدم سا خاک رہ پر
 بے پیر بہ تھی نائیش گل

فردس کے سُرخ کہا ادھر کو
 گلزار میں بیسوا کے لائے
 گلگشت جمن میں بیسوا تھی
 قدموں پہ گری وہ سایہ آسا
 جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
 سایہ ہے کہ ہمقہ پیری ہے
 پیرے گل آرزو سے دامان
 پھول اُنکے سب سے آ گیا ہاتھ
 قیدی کے بیسوانے آزاد
 بھجوایا برائے داغ پیغام
 بچوں کھوٹوں نے داغ دکھایا
 چھوٹے قید فرنگ سے وہ
 چاروں داعی پھرے وطن کو
 آ یا لب جو پہ رشک شمشاد
 سو نیا سب ناخدا کو گھر بار
 خندے پاو اُسے مہر دوزن کے
 کیا جاسیے کیا پڑے گی افتاد
 موضع نہیں بھڑک سا تھر رکھیے
 خود کشتی سے کر گیا کنارہ
 جنگل کی راہ سے چلا دیں
 اک گوتے میں آنکھیں مانگتا تھا
 کھڑا وہ مسافر اس جگہ پر
 واجب تھی آرزو میں گل

سونے کو کسوٹی پر چڑھا یا
 ہو جیسے چراغ سے چراغ
 بننے سے مزہ کے لیں بلائیں
 گلچین وہ ہوا سے ہمتاں تھا
 جاننا گل بکاؤلی کا تاج الملوک

یوں خارہ رہ قلم ہے ریشہ
 آہو بچے وہ چاروں غول ہجراہ
 کس شکل سے پھر کے جائےیں گل
 گل لینے گئے تھے داغ لائے
 کیونکہ بے پھول مُنہ دکھائیں
 کمال کو بے وقوف ٹھہرائیں
 کہنے لگے پھول پھول کر غول
 ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
 دیکھا اُسے جو یہ فریسا
 اُس پھول کی اور گلز میں ہے
 دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں
 اندھا نہیں اب ہوا ہوں بیٹا
 جو یا وہ ہوا کی طرح چل کر
 باہم کہا دیکھو پھول لائے
 گل سہے کہ چراغ طور ہو یہ
 برلا کہ بگو نہیں زیادہ
 رکتے ہی نہ تم زمین پتہ پانوں

پستلی پہ زبر گل آزما یا
 گل سے ہوئی چشم کو رتا یاں
 مُنہ دیکھ کے اُس نے دیک دعائیں
 گل کے جواڑے سے شاد ماں تھا
 ملنا چاروں شہزادوں کا اور چین
 سے اور بیٹا ہونا چشم زین الملوک

ہو بسکہ یہ حیرت جو پیشہ
 یہ جا کے اُسی جگہ پہ ناگاہ
 کہتے تھے کہ واہ رے مقدر
 کیا رنگ زمانہ نے دکھائے
 کس منہ سے پد کے آگے جائیں
 ٹھہرائی کہ اور پھول بیجا میں
 رنگ باد ہوائی توڑ کر پھول
 کیا پھول ہے کیا اثر ہو آئیں
 وہ کوہ کہ ہو چکا تھا بیٹا
 بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہو
 وہ جو گی جو جاتے ہیں اگر آئیں
 میں کو را بھی ہو چکا ہوں بیٹا
 چاروں کو بھی حسرت گل تر
 اُس جو گی کے جب برابر آئے
 گل ہے کہ علاج نور ہے یہ
 جو گی یعنی وہ شاہزادہ
 پانے اگر اُس دشت کی چھانوں

وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
 اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
 شورش میں وہ چار بجھے یہ جس
 اُس خضر کو راستہ بتایا
 گھوڑوں پہ ہوا کے مثل بوٹھے
 گل لے کے حضور شاہ آئے
 آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
 اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
 آیا پھر آبِ رقیۃ جو میں
 خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
 زرخشا گل کی رونمائی
 محتاجِ دگدہا ہوئے تو انگر
 بجوائے خوشی کے شادمانے
 وزیر ہو کر تاجِ الملوک کی تلاش میں ہنا
 یوں شاخِ ظلم سے گل کھلا ہو
 یعنی وہ بجا اولیٰ بریشتیاں
 اُس شہر میں آئے آئے آئی
 گلچیں کے شگونے کھل رہے تھے
 ایک ایک ہزار داستان تھا
 شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
 انسانوں میں آملی پیریزاد
 صورت جو نگاہ کی پری تھی
 انسان ہو پری ہو کون ہو تو

ڈینگ آپ کی ب لفظوں ہو یہ
 یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا
 قوت میں وہ چار بجھے یہ کیس
 غولوں نے بزور پھول اُڑایا
 پگل پانے سے بکہ سرخوٹھے
 بغیل سے رو براہ آئے
 گل لائے جو زردیدہ و خواہ
 نیچے سے پاک کے پھول اُٹھایا
 نر آ گیا چشم آرزو میں
 خورشید بصر گمن سے چھوٹا
 دولت جو پاس تھی لٹائی
 ایک ایک کو استقدر و یازد
 سجائے طرب کے کارخانے
 ہونچا بجا اولیٰ کا دارِ انخلافت زین الملوک
 گلچیں کا جواب پتا لاسے
 وہ باد چمن چمن خسرا ماں
 گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی
 دیکھا تو خوشی کے چھبے تھے
 گلبانگ زناں تھا جو جہاں ہتا
 پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی
 جادو سے بنی وہ آدمی زاد
 سلطان کی سواری آ رہی تھی
 پوچھا اسے آدم برسر د

کیا نام ہو اور وطن کدھر ہو
 دی آسنے دعا کہا بصد سوز
 رگل ہوں تو کوئی چین بستاؤں
 گھر بار سے کیا فقیر کو کام
 پوچھا کہ سب کہا کہ قیمت
 باتوں پہ مندا ہوا شہنشاہ
 چہرے سے امیر زادہ یا یا
 ندریں لیے بندگان درگاہ
 دربار میں چاروں شانزادے
 چاہا کلچیں کا امتحان لے
 بنلانے لگے وہ چاروں ناداں
 جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
 تجویز نہیں تھا یہ صاحب فکر
 نفس اسکو ہوا کہ بس وہی ہو
 ظاہر نہ کیا بطون اپنا ہر بندہ
 منزل کہ رہرواں بنا کے
 رہرو کو دیا بلطف و اکرام
 آباد ہونا تاج الملوک کا گلشن نگارین
 تعمیر مکاں کے ہیں جو آثار
 شہزادہ کہ عازم وطن تھا
 اندھے کو کیا جب آسنے بنیا
 سو چاکہ خوشی حسد کی غم کھاؤ
 نقل ارم اک مکان بنا کے
 ہو کون سا گل چین کدھر ہو
 فرخ ہوں تہا میں ابن فیروز
 غربت زدہ کیا وطن بتاؤں
 کیا بچے چھوڑے گا نون کا نام
 پوچھا کہ طلب کہا قناعت
 لایا بصد امتیاز ہمراہ
 گھرا لاکے وزیر اُسے بنایا
 دستور سے آئے بصد جاہ
 دیکھے تو کھلے وہ دل کے ساتھ
 پوچھا کہ نگھیں جو لے کہاں لے
 کوئی تین اور کوئی بدخشاں
 خاتم کے تھیں بتائے ہوتے
 آیا تاج الملوک کا ذکر
 ان سادوئے کندہ کب ہوئی ہو
 مطالع سے کیا شگون اپنا
 شام و سحر اسیں آپ آ کے
 آسے آرام جاتے پیغام
 یوں خامہ سے بہر بیت بیمار
 گل پانے سے خوش چین چین تھا
 اور داغیوں نے وہ بھول چھینا
 حسد مالہ دیوئی کو بلواؤ
 رکھوں پیوں کو اپنی لاسکے

وہ دیوتی بال باندھی آئی
 محمودہ کیا ہوئی کہا ہیں
 مسکن کے لیے تمھیں بلایا
 جو باغ بگاڑی کو دے دارغ
 آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
 گلزار جو اہرین بستہ
 گلشن کے لیے بہار تھے وہ
 کشتی سے وہ دخت رزک لایا
 محمودہ سے ہوئی بغل گیر
 رخصت ہو کر چلی گئی گھر
 نسرین بد نون سے گھر بسایا
 پھل نخل مواصلت کا چکھا
 آباد ہو گلشن بنگا رس
 آتے جاتے کو گھیر لائے
 جنت سے وہ پھر پھر آنہ گھر کو
 خورشید افق نظر بڑا باغ
 نوکرتا جر فقیر خوش باش
 پھرتن میں نہ آئے صحت جان
 اور تاج الملوک کی آپس میں
 یوں صفحہ ظلم سے ہنر نکالیں
 ولسر کا اعلان با وفا تھا
 کلڑنی کا چکا کے بوجھ لایا
 الماس و عقیق و لعل و یاقوت

بال آگ پر رکھے آندھی آئی
 تنہا سے دیکھ کر کہا ہیں
 دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا
 لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ
 حالہ نے دیوؤں کو کیا یاد
 دیرانے کو گل نہیں بناؤ
 حناع طلسم کا تھے وہ
 دیوؤں نے ادھر محل بنایا
 حالہ اس کی مادر پسر
 کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر
 گلشن میں سمن بیروں کو لایا
 دونوں کو محل میں لاکے رکھا
 دیوؤں کو کہا کہ بہر متکیں
 وہ لو آدمی بننے بن میں آئے
 جو سن کے خبر گیا ادھر کو
 از بسکہ قریب شہر تھا باغ
 مفلس زردار امیر تلاش
 گھر چھوڑ کے چل بسے انسان
 ملاقات کھٹرنی زین الملوک
 گلشن جو بنا جو ہسرا گین
 ساعد نام ایک سر لقا تھا
 صحرا سے جو سیر کر کے آیا
 دلواسے ہر ایک کو بے قوت

کچھ ٹھہرے کچھ آگے جانے شہر
 من پاتے ہی لوگ اڑ رہے تھے
 نے کر اظہار ساتھ آ یا
 اک دائرہ تھا رنگ خورشید
 بھجوا کے خبر وہ شخصہ ٹھہرا
 لائے اُسے پیشگاہ سلطان
 ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
 معروض کیا کہ یا شہنشاہ
 چوری کے تو یہ نہیں جاہر
 نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
 جاننے نہ ہو لیو خبر دار
 آیا زمین الملوک کے پاس
 یہ شہر اچڑا ہے وہ بسا ہے
 ڈھیروں سے جاہرات پاتا
 قاروں کا ویسے ہو گیا ذخیرہ
 سلطان کا مشیر نیک وید تھا
 نرنگ و سنوں کا گھر بڑا ہے
 بچھ دور نہیں مثال ہو یہ
 کی ویوستے جادو سے
 رکھتا تھا محل میں بارور زوج
 جتنی تھی ہمیشہ دختر اسکو
 کرتا تھا حد سے قتل دختر
 وہ شاہ کہ ظلم میں قتل تھا

تھی بسکہ وہ جا خلاصہ دہر
 کفایت میں وہ نعل بے بہا تھے
 سخن نے منسا نکوٹ بلایا
 دیکھا تو وہ جلوہ نگاہ امید
 دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا
 جب واں سے طلب ہوا تو دریاں
 آواں کیا ادب سے ٹھہرا
 ان لوگوں کو نے گیا تھا ہمراہ
 کم مایہ یہ لوگ ہیں نظاہر
 ساعدے کہا کہ ہے یہ حاسد
 حضرت یہ وہی تو ہیں بردار
 پھر کر انھیں پانوں سخن بے آس
 کی عرض کہ باغ اک بنا ہے
 جو کوئی ہے اُس جگہ پہ جاتا
 حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ
 فرخ کہ وزیر باخرو دھتا
 بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے
 ہر چند کہ طرفہ حال ہو یہ
 حکایت ایک عورت کے مرد بجانے کی
 اک ملک میں ایک صاحب فوج
 تھا داغ پر مقتدر اس کو
 از بسکہ وہ شاہ تھا بد اختر
 اکبار محل میں پھر محل تھا

بیٹا جو نہ دے جناب باری
 کر ڈالیے ذبح و خرقہ و زوج
 پوری نہ ہوئی وہ آس اُسکی
 گھر والوں کو خوف کا محل تھا
 تیارہ شناسوں سے کیا ساز
 تھی جانبدنی شہرہ کر دیا چاند
 بانے لک سے ہو کے دنیا ساز
 گویا ہوے دست بستہ آس کے
 بدین مگر ہے ایک اختر
 حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
 بیاب ہو جب آرزو مند
 مردانہ لباس سے نکالی
 ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی
 شادی کو چلی بجان ناشاد
 اور روز نکاح تھا سویرے
 اُس پھالے سے مثل خار نکلی
 اک عالم ہو ہے اور بیاباں
 جو یاے آشکار دشت میں تھا
 منہ کھو لو عدم کی راہ بستل و
 کیوں تنگ ہو جی سے کیا ہو سیداد
 کہ جس لیے ہو تو آرزو مند
 خنجر کا ہو کیا نیام سے کام
 بے تنگ ہوئی وہ تلوار کی نعل

عا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
 اقبال کا بچہ نہ جائے اوج
 کنیاں تھی غرض کہ راس اُسکی
 سلطان کا جو عہد بے خلل تھا
 ملحوظ بدل بخت پر دہ راز
 ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
 پھر اہل بخوم محرم راز
 بیٹے کا وہ زرا چمک بنا کے
 حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
 جتیک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
 حیلہ کر کے چھپائی یک چند
 وہ گندم جو نہا تھی ہالی
 خوش ہو کے پدربے ہر شادی
 بن بھن کے غروس شکل داماد
 اک شب کسی وقت میں تھے ڈیرے
 خیمے سے وہ بے قیاس ار نکلی
 دیکھا تو اندھیری رات سنان
 اک دیو و ہاں پہ گشت میں تھا
 دیکھا تو کہا حضور لے آؤ
 بلا وہ کہ سن تو آدمی زاد
 اے مرد خدا خدا کی سو گند
 بولی وہ کہ یہ خیال ہو خام
 کہہ کر کھلے بندوں جی کی نعلی

تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
 تو مجھ سے بنے میں کھسا بن جاؤں
 کھول آتھ کہا تو کھول دی آنکھ
 دامن میں سے دی چراغ نے لو
 داب نیشہ رہا ترش کے ساغر
 فرخ کہ وہ تھا وزیر مقبول
 اس بات کا پھر وچر کیا ہے
 بے دیکھے نئے کو کتنے مانا
 یہ کہہ کے بیان کی حکایت
 ایسرا اور ناصی صیاد دلی،
 دانا تھا وہ طائر چمن زاد
 کھلتا نہیں کس طبع پہ ہے تو
 گردنچ کیا تو مشت پر ہوں
 دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
 سجھاؤں جو بند اسے گرہ بانڈھ
 کیجے وہی چہرہ سجھ میں آوے
 عاجز ہو تو ہارے نہ ہمت
 جاتا ہو تو اسکا غم نہ کیجے
 بن داموں ہوا غلام صیاد
 طائر لے تڑپ کے برنگالے
 کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
 غفلت نے تری مجھے چھوڑا یا
 تھا لعل نہاں شکم میں میرے

آنکھیں بھپکا کے ویو، لولا
 خاطر تری نے طلسم دکھلاؤں
 موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ
 پائے مردانگی کے بر تو
 بچالی میں یہاں اُسکا صنوبر
 اب یاں سے ہر قصہ مختصر طول
 بولا کہ سہا جو یہ ہوا ہے
 شہ نے کہا سن وزیر دانا
 یاد آئی مجھے بھی اک دوست
 حکایت نصیحتگری مرغ
 اک مرغ ہوا ایسیر صیاد
 بولا جب اُسے بانڈھے بازو
 بیجا تو ٹکے کا جانور ہوں
 یا لا تو مفارقت سے انجام
 بازو میں نہ تو مرے گرہ بانڈھ
 سن کوئی ہزار بکھر سناوے
 قابو ہو تو کیجے نہ غفلت
 آتا ہو تو ہاتھ تھستے نہ دیکے
 طائر کے یہ سن کلام صیاد
 بازو کے جو بند کھول ڈالے
 اک شاخ پہ جا چمک کے بولا
 ہمت لے مری مجھے اُڑایا
 دولت نہ نصیب میں تھی ترے

دسے کر صیاد نے دلا سا
 بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جبل
 ارباب غرض کی بات سن کر
 فرخ یہ وہی مثل نہ ہوئے
 مشتاق تو تھلا چلا وہ دستور
 نقشے میں وہ گلشن نگارین
 حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
 اس سوچ میں ننگہ آنک آ یا
 آداب اک کر کے حسب دستور
 سمجھا کہ حسین آدمی ہے
 پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
 انسان ہوں بندہ خدا ہوں
 گستاخی معاف آپ آئے
 بہکا کے بسا کے مردم شہر
 دعوئے یہ ہو یاں نہ میں دالہ
 خیر اب بھی رہے شرح چا ہو
 بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
 درویشی میں دل کے بادشاہیں
 دستور کہ عرض کر چکا تھا
 بولا چلو صلح درمیاں ہو
 بولا وہ فقیر کی بلا جائے
 بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
 یہ کہہ کے پھسرا وزیر آیا

برہم زردہ بزم کے چراغاں
 لہ فرخ فرخ پیکار اٹھا
 بولا کہ بلا کے شاہ ہو دور
 ہر معدن لعل و کان یا قوت
 کلشن ہو جو اہرین کہ جادو
 جادو کا تمام کار خانہ
 رہنے والے ہیں آدمی زاد
 درویش ہو شاہ نام کو جو
 جادو کے محل بنا گئے ہیں
 وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

کا ایک ایک پر
 دل لٹنی راہ صاف یوں ہو
 سو جا کہ ہوں ٹھاٹھ کن زیادہ
 حاضر ہوئی دیوینی قوی بال
 دیووں کے رخ اُسنے آنکھ اٹھائی
 بلبوں سے زمیں بن کی جھاڑی
 پھولوں سے بنا دیا جیا بار
 شتاق نے وال وہ شب سحر کی
 چاروں شہزادے لیکے ہمراہ
 فرخ کو خواہی میں بٹھا کے
 جھرج اُفق سے شاہ خاور
 فرخ ابر کی طرح بچھے پائے
 دائیں بائیں دور سنہ بازار

شہزادہ و شہ محل میں تھے وال
 شہ نے جو وزیر کرتے دیکھا
 سلطان کے نثار ہو کے دستور
 دیکھ آیا میں وہ مکان یا قوت
 تخت سے زمیں کہ سینو
 نقشہ کھوں کیا بنگار خانہ
 دیووں کی بنائی ہو وہ بنیاد
 وال صاحب تاج و تخت جو ہو
 دیو اسکے محل میں آگے ہیں
 کل آپ بھی بل کے کیجئے سپر

بھسید کھلنا چھینے ہو دل
 اب خلیفے سے دانگن یوں ہو
 فرخ جو گیا تو شاہزادہ
 رکھا آتش پہ دوسرا بال
 دعوت کی اُسے خیر سنائی
 ہچھمبولے چوں اسکی تار سی
 غولوں سے جو تھا بھرا بیا بار
 صناعتی اُنھوں سے رات بھر کی
 بچتے ہی بگروہ شاہ ذی جاہ
 جو جو اُمرائے سب بلا کے
 مشرق سے رداں ہوا دلاور
 بجلی سے جو زرق برق آئے
 دیکھا تو تمام دشت گلزار

چاہا پھر کچھ لگائے لاء
 طائر بھی کہیں نہ گھٹنے ہیں لعل
 کر لیجئے ایک بیک نہ بار
 دیکھ آجو تھے دہل ہووہ
 دکھائی دیا وہ بقیعہ ا
 گلزار ارام سے تھا خوش آبا
 بردیس میں ہوں کہ گھر مرا
 حیران وہ وزیر شہ تک آ
 کھڑا تو وہ بادشاہ ستا
 کیا جانے کہ خود بجاکوئی
 بولا وہ کہ نام سے ہو کیا کا
 بیچھا زین آملوک کا ہوا
 بن کھیر لیا مکان بنا سیا
 حضرت گلزار ہے آپ پر
 آبادی میں آئی ہے خرابا
 سر آنکھوں سے چلے جھوسا
 شرجن سے ہو وہ بشر نہیں
 مسد کے تھے پیر گد ا پیر
 مثل دل بد گماں کا تھا
 باہم مسد و مہر کا قرآن
 شتائی جو ہو وہ شوق سوز
 اُٹھ جائیگا دریاں سے برا
 پونچا تو وہ شہر خالی با

شہ کتے تھے دشت پر خشک تھا
 فاضل تھے کہ سبز باغ ہے یہ
 تجوز رہے تھے سب کے سب دنگ
 اسنے میں سنا کہ صاحب تاج
 کیا لشکر ہی اور کیا شہنشاہ
 دیکھے جو بہر جہات کے ڈھیر
 شہزادے لے آئے اچھی بانی
 دونوں میں ہوئیں جو چار آچھیر
 ایواں جو اہریں میں آئے
 وہ بہتر کے زیر سایہ بیٹھے
 جو جو کہ تو اوصاف ہیں عام
 چچھی ڈولی عطر آلاچی پان
 رعنت سے انھیں کھلا پلاسکے
 اس تاج شہی میں کئے نگین ہیں
 سلطان نے کہا بصد لطافت
 اک اور ہوا تھا قابل خشم
 جب لائے یہ گل بکاؤلی کا
 پوچھا اسنے وہ اب کدھر ہے
 بڑھیا شہزادہ نے کہ یا نشاہ
 اک انہیں سے چشم شناسنا تھا
 بولا کہ حضور اہنگ تو دیکھیں
 صورت وہی رنگ اور وہی جو
 یہ سننے ہی اسنے خندہ کر کے

فرخ کتنا تھا کل تلک تھا سردمدروں سے شاہ نے اٹھایا
 اپنے ہی جگر کا داغ ہے، لے لے کے بلائیں کاکلوں کی
 جاو انہوں طلسم نیرنگ عرض اسنے کیا کہ دو پرستار
 جتنا بڑھے پیچھے سب ہوتا رانا حضرت نے کہا بلایے خیر
 سنا لے میں تھے کہ اللہ اللہ شہزادے نے اک مکان بتایا
 سب میں کی ہوس سے ہو گئے سب اٹھ گئے بروہ چاروں باغی
 کی تار در خانہ پیشوا کا شہزادہ اٹھا محل میں آ گیا
 دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں ابرو سے کہا میں جب کہوں آؤ
 الماس کی شہ نشیں میں آئے در بروہ سکھا سکے باہر آیا
 افسر سب پایہ پایہ سینچے دلبر نے کہا سجاؤں گی میں
 لے آئے خواص نازک اندام اٹھ جائیں یہ چاروں دست بنیاد
 نقل و حرکت و جام و خوان اللہ اللہ چاروں کا چھتنتے ہی اٹارنگ
 بولا شہزادہ مسکرا کے دکھلائی دیے جو بیٹے بلے رخ
 کے نام و نشان و نشیں ہیریاں دلہیہ تھے دارع وال سب میں بہر
 یہ چار ہیں عنصر خلافت وہ جعل وہ ہار وہ علامی
 وہ نور بصر تھا دشمن چشم وہ دشمن اور وہ پابروی
 نکلا تب خاکر و دشمنی کوہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
 سلطان نے کہا کہ کیا خبر اوہ سچی وہ دیوئی کی صحبت
 صورت سے جو کوئی اسکی آگ تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
 کہ کا اسی شاہزادے کا نوہ سیر چمن وہ پھول لینا
 دیکھا تو کہا مری نظر منوہ کو رکے حتی میں خضر ہونا
 لہجہ وہی گفتگو وہی آوازہ بال کو آگ کا دکھانا
 سر پانوں پہ رکھد یا پور کدھ نہ بہت گاشن نگار میں

فرزند کو چھاتی سے لٹکایا
 پیشانی چوٹی پیٹھ ٹھوسکی
 پابوسی شہ کی نہیں طلبگار
 اٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
 اک ایک اٹھا اُدھر کو آیا
 بیٹھے رہے فریش گل پہ داعی
 پردے تلک آنکو ساتھ لایا
 تو کہیو یہ چاروں داعی اٹھو اُد
 بے پردہ حضور شیخ بلا یا
 قربان گئی نہ آؤں گی میں
 داعی ہوئے ہیں غلام آزاد
 یجبار کی شاہ ہو گیا اورنگ
 دیکھا تاج الملوک کے رخ
 یا نام پہ حرفت والی نہیں پر -
 وہ گھات وہ جتنا تہامی
 + وہ بیگسی اور وہ دست گردی
 وہ جلوے کی چاٹ اور وہ تخریب
 مست ہو وہ کنی وہ آدمیت
 اور موش دو انیاں وہ دستخواہ
 وہ عزم وطن وہ واع دنیا
 وہ غولوں کے مل کے پھول کھینا
 و عدسے پہ وہ ویونی کجا آنا
 وہ دعوت پادشہ وہ نہیں .

گزرا تھا جو کچھ بیان کیا سب
 انگشتی پزیر ہی دکھا کر
 پہلے تو بہت وہ منہ چڑھے ڈھیٹ
 اٹھوا کے انھیں وہ دو خوش آئیں
 حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت
 نذریں ان دوزوں نے دکھائیں
 منہ سے شہ اُٹھ کے بے محابا
 روشن کیا دیدہ پد ر کو
 شتاق کو رو براہ یا یا
 ماں نے دیکھا جو وہ ذلاور
 وہ طفل بھی گر بڑا قدم پر
 ہر خوش و بیگانہ سے ملاوہ
 غالب ہونا فرخ یعنی بکاؤلی کا اور بلوانا تاج الملوک کا
 گلشن نگارین سے اور شفق ہو کر گزارا رم میں رہنا
 کھلنے پر جو ہے طلسم تقدیر
 فرخ وہ پادشہ کا دستور
 مطلوب کا سن سمجھ کے سب حال
 سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے
 اُس وضع کا پاس کر گئی وہ
 فرخ کہنے تک آدمی تھی
 غربت سے چلی وطن میں آئی
 پھر مردہ خواصوں میں پڑی جان
 اس پتھے میں اک سمن پڑی تھی

یہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
 کھلوائی سب زین کی مہ مخضر
 آخر داعی دکھا کے پیریت
 پا بوسی شہ کو سر سے آئیں
 دونوں کو دیے خطاب و خلعت
 رخصت ہو کر محل میں آئیں
 بولا بیٹے سے جان بابا
 مادر کے بھی چل کے آسو پوچھا
 ہوا و سے تا بخانہ لا آ
 اسکوں کے گھر کیے پچھا
 مانند سرتک چشم مار
 پھر اپنی جگہ پر کر گیا
 اب نکالے نے لیاں کیا ہو پھر
 یعنی وہ بکاؤلی دستور
 چاہتا ہے کہ نکالے پچھ پیر و مال
 پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے
 تفسیر لباس کر گئی وہ
 پھر وہ ہی بکاؤلی پڑی تھی
 خواہے اڑی چمن میں آ
 صد تے ہوئی کوئی کوئی تیرا
 وہ ہمیشہ بکاؤلی تھی

بے کچھ کئے پھر بھی آئی کیا خوب
 لکھا پگھلیں کے نام نامہ
 اٹھے رشک برادران اسکو ب
 اٹھے دیو سوار عرش پرواز
 اٹھے لقب دواں بارخ گلرنگ
 اٹھے دزو خاے دستیابی
 اٹھے صرصر گل ببا دودادہ
 اٹھے لعل ناماے سنگ خارا
 اٹھے بے بصر رخ ضرورت
 اٹھے صاحب بزم ہمسریابی
 اٹھے سرسبز چشم آشنائی
 اٹھے دانغ ناماے پشت اجواں
 تو مجھ سی پری کو دیکھا گل
 فرخ ترے واسطے ہوئی میں
 مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا۔
 سب تجھ سے سننے تری زبانی
 جا دو وہ جو سر پہ پڑھ سکے ہوسلے
 کہ شکر سمجھ کہ تھا خوش اقبال
 وقت اور ضرورت اور کچھ بھی
 جلد آ کہ ہے سلسلہ ستاسی میں
 ورنہ میں بہت ساشر کیوں گی
 دکھلا سہے ہیں سیر باخ تو سنے
 تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا

دلی کو کیا کیا کہا خوب
 مانگا کاغذ دوات خاتمہ
 لے یوسف چشم زخم یعقوب
 لے دلبر دلکشا باغلیاز
 لے آب تہ زمین نیرنگ
 لے پردہ کشاے بے بجابی
 لے رہو روز بروز نہادہ
 لے بے سرو برک گلشن آرا
 لے بے خبر طلسم صورت
 لے باعث غم میگزبانی
 لے آئینہ دار خود نمائی
 لے پردہ کشاے رشے بہناں
 رہا رخ ارم سے لے گیا گل
 بے رخ ترے واسطے ہوئی میں
 تجھ کو ترے باپ سے رلا یا
 جو جو امراز تھے نہانی
 یا لطیف جو عیب سرورہ کوسلے
 پایا تھا کروں سے تے پایاں
 با کیسے کہ صورت اور کچھ تھی
 بتا سہے وہ نمازچی کے جی میں
 اے گاتا تو در گذر کیوں کی
 داغوں پہ ویسے ہیں داغ ترے
 کاٹھوں میں اگر تو اچھنا

القظ ہے قلم کی دوستداری
 چالاک ہے تو ابھی قاصدی کو
 پورب کی سمت کو چلی جا
 رہتا ہے وہیں مرادہ نہیں
 پٹھری رہو جواب بوجو
 پتا ہوئی اور پتے یہ آئی
 ثابت ہوا گلشن نکھاریں
 یعنی تاج الملوک خوشخو
 محمودہ دائیں بائیں دسر
 دھیاں اس کو بکاؤلی کا آ یا
 بے شہ ہوا یقین کا عالم
 انگارے پہ جیسے کبک لیکے
 قاصد نے دیا وہ خط بری کا
 تحریر کو آنکھوں سے لگایا
 خط صورت خیم شوق کھولا
 قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا
 کچھ یاس بھی کچھ امیدواری
 تحریر کیا جواب نامہ
 فرخ لقب و بکاؤلی نام
 اس نامے کے اس طلب کے صدے
 تو نے کیوں اسکے منہ چھبایا
 تو نیک تھی بے لگئی کیوں
 انوس انوس ہاے انوس

خط کی نہ ہوا امیدواری
 لگہ کے کہا سخن بری کو
 یہ خط یہ انکھ کھلی لے ابھی جا
 رتے میں ہر گلشن نگاریں
 خاتم کے نشان سے نامہ دیکھو
 خطا خاتم لے کے وہ ہورائی
 وہ باغ کہ تھا جواہر آئیں
 وہ آدم جو روشس پریرو
 گلشت میں تھا کسی روش پر
 قاصد نے جو رخ بری دکھایا
 پہچانتے ہی بچھین خاتم
 پھر تو وہ وہ یوں چلا تڑپ کے
 دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا
 گو مسر جموشی نے کھلایا
 قاصد سے کلام لطف بولا
 وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
 تحریر بھی سرگذشت ساری
 منگوا کے وہیں دوات و خامہ
 اسے شاہ ارم کی دخت کلفام
 اس نام کے اس لقب کے صدے
 میں نے جو غرض سنے جی جرایا
 میری جو بدی ہوئی تھی پلھ یوں
 تو جا کے تو کیوں نہ آئے انوس

اُمید گئی گئی نہیں تو
 جی کھول کے داغ دل دکھاتا
 جو پھینچ کے پاں سے لگیا تھا
 وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
 میں کیا کہ خبر نہ پوچھے میری
 یاں بھی جو رہا تو تیجیاں ہوں
 تو بستر شعلہ میں رگ ستم
 تو سیل روان میں خستہ دیوار
 میں نقش قدم تو باد صرصر
 مرجاؤں گا اشک میں جو بے گنا
 انسان کی ہے مرگ زندگانی
 تو مان لے ایک بات میری
 شاید مجھے زندہ پا کے پہنچائے
 آسان ہے یہاں بھی جان دینا
 قاصد نے لیا جواب لایا
 دیکھا تو وہ دیوٹی گھڑی تھی
 گلچیں مرا کو نسا نثر ہے
 بے دیکھے کسی کا نام گیا لوں
 بولی کہ ننھے لگاؤں لو کا
 داماد کو گل دیا ننھے خار
 زندہ کروں اس سوے کو درگور
 داماد کو لاؤ ٹھنڈی ہوں میں
 بگڑی ہوئی بات یوں بتائی

تقدیر پھری پھسری نہیں تو
 اسے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
 معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
 اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
 مرجاؤں اگر طلب میں تیری
 قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
 تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
 تو برقِ دماں میں خرم خار
 تو جو ششِ یلم میں مور بے پر
 دھڑکا ہے یہی تو جان دوں گنا
 ہو تجھ سے میری جو خضم جانی
 منظور جبر ہو حیات میری
 حمالہ کو بھیج آ کے لجا کے
 بھیجنا نہ اُسے تو جان لینا
 یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اٹھایا
 مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
 پوچھا کہ اری ننھے خبر ہے
 وہ صدیے ہوئی کہا بلا لوں
 یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھوکا
 تیرا ہی تو ہے سنا دردار
 گل نقب کی راہ لے گیا بچہ
 حمالہ چلی ہوں کیا کہوں میں
 آگاہ جو دیوٹی نے پالی

انسان سے ہوئی ہو اسکی شادی
 شاید اسکا تصور ہے کچھ
 یہ کہہ کے اٹھی چلی ہوئی
 آپ اپنی فضا کا نوہ خوال تھا
 پر چھا کہ تو لینے آئی مجھ کو
 چل دیکھ تو چھپر چھاڑ کیا ہو
 ہجان میں تپ تپے بیسے بیمار
 مانند حواس اُڑی وہ مضطر
 داں آئی پرسی کی ماں جمیلہ
 یوں کہنے لگی بکاؤلی سے
 برسوں سے نہیں تو گھر بھی آئی
 کچھیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا
 رُخ میری طرف نظر نہیں اور
 بولی کہ چین تو ہے مرا گھر
 رُخ کسکو کہتے ہیں نظر کیا
 وہ سادہ دل اٹھے گھر کو آئی
 حاضر ہوئی لے کے آدمی وہ
 اندیشے سے کانپ اٹھا کھنکار
 بلکوں سے یہاں نظر پہ چین
 یان قطرہ اشک ترنگو گیر
 یاں تاب سخن نہیں سر ہو
 کیوں ہی تمہیں لیکے مجھے گل
 میری طرف اک نظر تو دیکھو

حضور ہے کینز زادی
 لیرا تو نہیں تصور ہے کچھ
 مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی
 آئی آتویہ زار سبجاں تھا
 تھامہ کو دیکھتے ہی رورو
 بولی وہ نے بگاڑ کیا ہے
 کچھ بول کے زرب وہ دل زار
 لرزا سا چڑھا جو دیو بی پر
 اس سمت سے ہو چکی یہ عقیدہ
 شکوہ کرنے لگی پرسی سے
 گلزار کی سرخوب بھائی
 بطرح گلوں کی ہو تو شیدا
 کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
 مادر کے کلام سن کے دستر
 میں کیا جانوں شے خبر کیا
 تقریر جو بھولے پن کی پائی
 جب اُٹھ گئی یہ تو دیو بولی وہ
 آیا نوہ منتظر بھی جو بخوار
 واں غصہ بھری غضب وہ بیرون
 واں سرمہ چشم گرم نسخیر
 واں پچا سننے کو بلا وہ اگیتو
 بولی وہ پرسی بصد تامل
 کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو

تو بہ کا تو در نہیں کیا۔ سند
 پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم
 رشتہ کا ٹیکہ تجھ سے ہر ایک
 اب مان نہ مان تو ہے مختار
 تو دام بلا میں ہی کہ ہم ہیں
 دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹا لیتے
 اب ایک کوگی تم تیں دلس
 مجبور جو ہوں تو میں نہیں کیا
 بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہی
 تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں
 ہوا بلکہ برنگ زلف اور چھتی
 سایہ ہو تو دوڑ دھوپ بچے
 درماں کے لیے دوا دوشن ہو
 اس باغ کی اور ہی ہوا ہے
 ایسا نہولے اور کچھ رنگ
 ریتے نہ کہیں گلے پہ تلوار
 جھجھلا کے کہیں نہ زہر ٹھائے
 کووے نہ کنویں میں باؤلی ہو
 ہے باعث مرگ ناگہانی
 زنجیر کا سلسلہ نکالا
 پاؤسی سگ کو آ یا سبل
 زنجیر ہے پیش پا فتا وہ
 زنجیروں میں بھی وہ بند کبھی

مجوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
 بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
 لے سنج نہ سوچے گرد و نیک
 سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
 تو قید جہاں میں ہی کہ ہم ہیں
 غم راہ نہیں کہ ساتھ دیکھے
 جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
 رنجور جو ہوں تو میں نہیں کیا
 مانا مری حالت اب ردی ہے
 بیل اسی رشک گل کی ہوں میں
 سوچی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
 جنوں ہو اگر تو فصد بیچے
 کچھ روگ جو در پے خلش ہو
 بیماری عشق لا دوا ہے
 آخیر تو بھی سے اپنے ہر تنگ
 یاد آ میں جو ارواں حنہ
 وہ سب زہر خط جو یاد آئے
 کہ یاد کہیں چہ ذقن کو
 دیوالے کی مطلق العنانی
 تدبیر کا جو صلہ نکالا
 بیڑی تھی رنج جنوں کی کاکل
 جب دشت عشق ہو زیادہ
 شوریدہ بکاؤلی غضب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقاری
 عالم کا ترے جہاں بیاں ہو غزل
 زنجیر جنوں رکڑی نہ بڑو
 ذرے کا بھی چلے گا ستارہ
 جو داغ کہ مہر ہے فلک پر
 کس سوچ میں ہو نسیم لو
 آناج الملوک کا صحراے اظلم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں
 ہر گہر طلسم اخلاص
 وہ قطرہ بارش اجسد الی
 وہ بادشہ جناب انسر
 بے مہری چرخ سے جونا گاہ
 جو ماہ سپہر برتری بھتا
 بادل سادہ بجز آسمان جوش
 دریا تھا نہ بحسب تھا نہ جیوں
 گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا
 موجوں کے عوض بھی ہیں داماں
 آگے جو بڑھا بنسیرہ دیکھا
 جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور
 جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
 اور آگے بڑھا وہ بجز اوہام
 ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
 ناگاہ سنی صدائے پرخون
 صورت میں پہاڑ کی نشانی

بڑھتی یہ غزل برآہ وزاری
 بیتابی دل جہاں جہاں ہو
 دیوانے کا پانوں درمیاں ہو
 قالم جو زمین و آسماں ہو
 ولیم مرے اب تلک نہاں ہو
 آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہو
 روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں
 ہو بحر سخن میں خاصہ خواص
 وہ غنیمت بجز آسمانی
 یعنی تاج الملوک مضطر
 گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ
 سوما ہی بجز اتری بھتا
 بجلی سالہر سے تھا ہم آغوش
 طوفان طلسم جوش آمنوں
 اُبھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا
 گرداب کے ہالے تھا گرہاں
 اشجار و ل کا ذخیرہ دیکھا
 ہاتھ آیا نہ کچھ جناب کے طور
 ہو یاں کے درخت کا ہی پھل
 ڈب ڈب خوسر مشید ہو گئی شام
 اک نخل کوں پہ چڑھ کے بیٹھا
 آیا اک از دہا پے لے طوف
 سیرت میں بلا سے ناگہانی

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
 بن میں کالوں نے رات کاٹی
 کالے نے من از شہ سے کالے
 من اننی شے منہ سے نکلا
 دشمن کا تھا سامن کیا غور
 بن میں ہری دہب جہر ہی بھین
 گوہر کے انھیں کے پھرت پھینک
 گلخن سے دھواں دھوئیں سے آگہر
 بادل میں چھیا وہ ماہ روشن
 من ہونڈ تھتے آپ کھو گئے وہ
 شب کاٹ کے صبح دم سدھا را
 مادہ لگی یو چھینے کہ ادز
 کھلتا نہیں بچو طلسم یاں کا
 ہی طرفہ طلسم اس جگہ بہر
 طہری سے خواص میں سوا ہی
 مارے سے نہیں کسی کے مرتا
 تاحوض قدم قدم چلا جائے
 منہ چادر آب میں یہ گئے ڈھانپ
 بنجائے گا آدمی سے طوطا
 اڑ کر یہ اُسی شہر پہ جائے
 دور نگ کے پھل ہیں سز اور لال
 انسان کارنگ روپ پاسے
 پھل کچھ اُسے دے رہیگا گل کو

منہ کھول کے سانپ اک نکالا
 لہرا لہرا کے اُس جانی
 جب صبح ہوئی تو منہ میں ڈالا
 وہ جا کے افق میں مسر جھپکا
 سوچا وہ کہ کیجے من کسی طور
 بچھ گائیں کلیں کر رہی تھیں
 دودھ اُنکا دوہا پیا کہا لو
 نکلا جو پھر آ کے شب کو اتر
 گوہر پھینکا تو دب گیا من
 بنے روشنی اندھے ہو گئے وہ
 من لے کے جو اُسے نہہ مارا
 دو مرغ تھے بیٹھے اک سجر پہر
 میں سجر بہ کر چکی جہاں کا
 مادہ سے یہ سُن کے بول اٹھا ز
 وہ بیٹھ جو عرض بہر لگا ہی
 اک سانپ ہر واں پہ چوٹ کرنا
 لیکن جو یہ بندہ خدایا جائے
 لیکے گا خدو اُسکو دیکھ کر سانپ
 اُبھرے گا لگا کے جب یہ غنٹا
 اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
 سب خشک ہی ایک ہی ہری ڈال
 پیسے تو یہ لال پھل کو کھائے
 پھر توڑے اُسکے سز پھل کو

جس شخص کے پاس وہ شہر ہو
 لکڑی میں اتر یہ ہے کہ دشمن
 دو ہاتھوں میں لے جو کاغذ پرے
 ٹوپی جو بنائے پھیل کر پھال
 پتے کی صفت بیان کیا ہو
 منہ میں رہے گو نہ آسکا جتیک
 تھا مہم غیب مرغ گویا
 کانے نے جہاں اسے کی سیاہی
 طوطا بس نہ جھڑ پھر آ کر
 پتے پھل گو نہ پھال لکڑی
 ہاتھ آگئی عصا کی تاشیر
 اڑتا ہوا واں سے دور جا کر
 من ران کو چیر کر بچھا یا
 اک حوض پر آب و تاب دیکھا
 غوطہ جو لٹکا کے سر اٹھایا
 دکھلائی برسے دنوں کے نشات
 حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
 سختی سے دکھاتا تھا مقدر
 نامردی سے اپنے نعرہ زین ہو
 آگے سے جوان ایک خوش قد
 باہم زن و مرد نے کیا میل
 بارے جو پڑی گھر اسکے بے قید
 جب جن کے نہانے کا دن آیا

ہتھیار نہ اُس پر کارگر ہو
 بنجاتا ہے موم اگر ہوا بہن
 اُڑنا بھرے جیسے مرغ بے
 دکھلائی نہ دے نظر کی مثال
 دم بھر میں بھسکے جراثیم کو
 لگتی نہیں بھوک پیاس تباہک
 سنتے ہی اُدھر چلا وہ جو با
 وہ حوض میں تھا مثال ماہی
 پیل کھا کے بشر کا ڈب یا کر
 اُس پیر سے لے کے راہ پیرزی
 بڑاں ہوا صورت عھانہ فر
 ٹھہرا دم لینے اک جگہ پیر
 پتے سے وہ زخم بھرتا یا
 سر چترہ آفتاب دیکھا
 وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
 مردی کی رہی نہ بچھ علامت
 فوارہ تو کم حسنہ بانہی
 بچھالی پہ دھرا کچوں سے بھر
 بیچارے چلی کسی طرف کو
 آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
 دریا سے ملا وہ نظر زن سیل
 اُسیدر سے رہ گئی وہ نوسید
 غوطہ کسی حوض میں لگا یا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
 مردی نے جو پھر وجود پایا
 تکیں پہ نگاہ کی تو تھا تیر
 گو تسمیح بنا چرخ دامن
 تھا مردم دیدہ غلطیات
 اک دیوینی مردہ دل سی بہوت
 زنبور سیاہ خال اس کے
 گٹھائے سر پہ لکڑیوں کا
 شہزادہ کہ تھتا کر یہ منتظر
 گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا
 حیرت زدہ شاہزادہ لا جا
 جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
 وال سے جو بڑھا تو ایک چٹنا
 غوطہ جو لگانے سر آ بھارا
 کھویا ہوا ملل ہاتھ آ یا
 حور شیدرا کن سے چھوٹا
 یارب ہی اب میں جانتا ہوں
 نادان ہر جو آ برو کو کھوسے
 یہ کہہ کر نہ بھے رکھ کے لٹھی
 کھانے کو سب کا گوند تھا پیاس
 دکھا ناگاہ گوہ اُس پیر
 دیوینی وہ جو سر پہ بچھالی کھی
 اُس دیو کے آسے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
 پستانوں کو لے نمود پایا
 قبضے میں پھر آئی کھوئی تسمیر
 روشن ہوا وہ رنگ درون
 حال رخ درنگ در مساوات
 پستان سے تدا سکا گل تابوت
 برگہ کی چٹائیں بال اس کے
 چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
 ردہ روسیہ اُسکو سمجھی شوہر
 بچو نہیں دیر جلد آ جا
 را ہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
 لپکا ہوا بھینک بچانک بو جھل
 پُر آب تھا چشم منتظر سا
 یا یا وہی رنگ روپ سا مل
 بولا وہ کہ شکر ہو خدا یا
 رنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
 یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
 اُس پانی سے سندا اور ہاتھ دھوئے
 گھوڑوں پہ ہوا کے بانڈھی کا کھی
 کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
 اک دیو سیاہ تھا لیے پُرز
 غریبانی میں پردہ حال کی بھی
 سایہ سا پہاڑا ہر چڑھا وہ

تو اسے کی طرح رو رہی تھی
 رویوش سننے تاج سرا اٹھایا
 آہستہ کہا کہ خانہ بر باد
 کھا جائیگا دیو بھاگیاں سے
 ہمسکو تو ملا نہ کوئی ایسا
 سر پہ ہیں ترسے تھنا کے سماں
 تم اپنی کو ہمارے کیا ہے
 کیا رنج سے کس مناد میں ہو
 اس دیو کے بس میں آگئی ہوں
 روح افزا جسکی ہوں میں دختر
 سلطان ارم میرا پچھا ہے
 ماندی تھی بجاؤ لی خبر کو
 اب تک تو خدا نے ہو بچایا
 روئے جو لگا وہ سر کو دھنکے
 تو کیوں رویا کہا کہ فر باد
 یاں بھرنوں میں ہو عرق
 یاں سانس نہیں ہو ایک دم کی
 رکھتے ترسے زخم دل پہ مرہم
 وہ دیو کہاں کہاں تو انسان
 سائے کو پھرتا سکا ہے کوئی
 دیو آگ تو آدمی ہے یا بی
 دب جاتی ہو مشت خاک سر آگ
 وہ دیو ہو قیر کی کیا ہو بنیاد

گریاں لب حوض اک بری تھی
 پرجوش و خروش اُسے جو آیا
 دیکھا جو بری سنے آدمی زاد
 رستہ ترا کھو گیا کہاں سے
 بولا وہ بشر کہ دیو کیسا
 بولی وہ بری کہ جا کہا مان
 بولا وہ کہ بقراری کیا ہے
 کیوں روتی ہو گس کی یاد میں ہو
 بولی وہ حسین کہ میں بری ہوں
 فردوس کا بادشاہ منظر
 سردار کرو دیووں کا ہے
 اک دن میں چلی بچا کے گھر کو
 رستے سے یہ دیو بھانسن لایا
 نام اُس سے بجاؤ لی کا سنکر
 پوچھا اُسے کہ آدمی زاد
 ذائقہ خرمین عیش پر ٹری برق
 داں پھانتی تھی سے انتہی غم کی
 بولی وہ کہ چھوٹے اگر اہم
 بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں
 دیووں سے بھی لڑ سکا ہو کوئی
 بولا وہ کہ جی . بھنا نہ جانی
 ہر چند کہ انسان جاں میں ہو لاگ
 بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد

لاکھٹی سے جدا نہوگا پانی
 مرستی کا عصا سے اڑ رہا ہے
 سامان دکھائے یکسر اپنے
 پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے
 ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر
 اڑ پلنے کے پائے چکھ قرینے
 وہ آدمی نے اڑا پری کو
 اچکا تو رلا ہوا پہ جا کر
 جلدی سے پری کے سر پر رکھی
 بجلی ساعیاں ہوا یہ پڑ فن
 حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
 بادل سا ہوا کا ہمت دم تھا
 پتھر اک اٹھا کے پھینک مارا
 تاثیر سے پھل کی بنگیا پھول
 جس طرح عصا سے جام بلور
 موجود ہوئے نہرا ہا دیو
 لاکھٹی سے ہوا وہ برقی خرمن
 ایک ہی لاکھٹی سے سب کو ہانکا
 جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
 چرم سے قدم بٹس پری نے
 لٹھ کا ندھے پکول سفر پہ رکھا
 ماں باپ سے آملی وہ بچو
 انسان کی وہ مردی جستانی

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
 بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
 یہ کہ کے جتائے جو ہر اپنے
 ٹوپی جو اتار لی تھی سر سے
 لٹھ کا ندھے پہ رکھ ہوا پہ جا کر
 یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
 تشکیں جو ہوئی پری کے جی کو
 وہ دیو پری کو اڑنے باک
 شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
 بدلی میں چھپی وہ ماہ رو تن
 وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
 شہزادہ کہ لٹھ سے برقی دم تھا
 دیکھا جو نہ دیو نے گزارا
 وہ سنگ گراں حسد بغول
 لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور
 غل کر کے زمیں پر گرا دیو
 بادل کی طرح جو اڑے دین
 موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اسکا
 سر سے کیا کوہ بسیکروں کا
 ٹوپی کو اتار کر پری نے
 شہزادے نے تاج سر پہ رکھا
 فردوس میں جا کے صورت چور
 دیووں کی وہ سرکشی سنانی

لائے نہ یقین قیاس اُنکے
 پوچھا کہ کہاں کہا یہاں سے
 خیر انوں کو شعبدہ دکھایا
 ناخن بھی ہلال سے بڑھے پچھے
 عریانی قبائے پوشیں بھی
 کی آؤ بھکت سمجھ کے جوگی
 باب اُسکا بادشاہ نظر
 حرمت رہی آپ کے سبب سے
 ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
 آخر وہی ابتدا وہی ہے
 تم دت کے اپنے ہو سلیمان
 شکر بت پر میوہا کے ترکھاؤ
 کھانے کا مزا رہا کسے ہے
 شبنم نہیں جاگزین گلزار
 آبِ دریا ہے تو بہتر
 ہم جانے نہ دینے تم کو اللہ
 ہم رام ہوئے نہ رم کرواؤ
 آرام کی جا سترا پائی
 ارباب نشاط گانے آئے
 دُھن رنگ کی تھی نہ رنگ کا وہیان
 بے فصل وہ بھاگ خوش نہ آیا
 آنا بکاؤ کی کار وچ افزا کی خبر کو جمیلہ کیا تھا اور تاج الملوک سے ملکہ جانا سات بن بود
 یوں خاصہ خوشی سے ترزباں ہو

من سکے اڑے حواس اُنکے
 پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہو
 یہ سنتے ہی اُسنے تاج اٹھایا
 بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے
 تن خاکی تھا جان آتشیں تھی
 صورت سے فقیر تھا بروگی
 حُسن آرا اُس پر ہی کی مادر
 قدموں پر گرے کہا ادب سے
 بولا وہ خدا خدا کرو واہ
 قادر وہی کبریا وہی ہے
 بولے وہ کہ حق ہو جو ہو فرمان
 کھلو کر آؤ لطف فرماؤ
 بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے
 ستاج کو کیا قیام سے کار
 درویش رواں رہے تو بہتر
 روح افزا بول اٹھی اجی واہ
 آرام کرو و کرم کرو آؤ
 مجمع سے الگ مکان میں لائی
 اصحاب نیاز کھانے لائے
 تھا اپنے سو بیچ میں وہ سنان
 بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا
 آنا بکاؤ کی کار وچ افزا کی خبر کو جمیلہ کیا تھا اور تاج الملوک سے ملکہ جانا سات بن بود
 بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے

مژدہ شاہ ارم تک آیا
 ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم
 یعنی وہ بکاؤٹی سیدل
 خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی جلتی
 زنجیر کے بیچ سے بکاسے
 اڑتے وہ ہواتے جھونکے آئے
 دخت اسکی بکاؤٹی عقیلہ
 صورت پوچھی کہا کہ نعت سیر
 بیٹھ اٹھنے کے ہوئی جمیلہ رخصت
 تم جاؤ رہیں بکاؤٹی جان
 لیجاؤ گئی خود میں ساتویں دن
 آہو سی ارم کو کر گئی رم
 بہتر نہیں کوئی جا جن سے
 کیا جانے کہ ہوگی سیر میں سیر
 کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
 میں نے یہ سنا کہ تو ہے دلگیر
 تیرے پیارے کو ڈھونڈ لائی
 نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
 پیارا ہو دے گا وہ بھارا
 بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
 پیارا نہیں پیاری کا ہو پیارا
 بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی
 قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

روح انسا کو جو کھو کے پایا
 جانا تھا یگانگی میں لازم
 وہ ساکن خانہ سلاسل
 کہتی تھی کہ بیچ سے نکلتی
 سن کے قیدی تھے ڈارنالے
 تخت انہی سواریوں کے آئے
 بانوے ارم شہر جمیلہ
 روح افزا سے ہو بسنگیر
 کہ سن کے مبارک و سلامت
 روح افزا نے کہا تہجی جان
 خاطر سے کہا کہ خیر نیکین
 یہ کہہ کے وہ دخت مجسم
 روح افزا نے کہا بہن سے
 گلگشت کریں چلو کہا خیر
 چل کھٹے سہنی سہنی میں پوچھا
 روح افزا نے کہا کہ ہمشیر
 دانشد کہ پھسان کر خدائی
 سمجھی وہ سہنی کہا سرن ہو
 ہکو یہ سہنی نہیں گوارا
 پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں
 بولی وہ کہ آسنا بھارا
 گرا سکی تلاش میں میں کھوئی
 جو چاہو کہو جواب کیا دوں

دکھایا تو تھی اسی کی جو گن
 کوشش کا اثر کشش کی تاثیر
 قالب بھی میان جان و جاناں
 مانند حجاب ہو گئی دور
 دریا رویا سنا کے افتاد
 چشموں کی وہ صورتیں ہاں کیں
 بولی کہ خدا کو علم ہے یا ر
 ویدے مرے نقش یا کتھے تیرے
 ہر وقت تضا کا سامنا تھا
 ہمسایہ تھے سب کشیدہ داماں
 زنجیر کا گھر مکان تھا میرا
 چھپر سا کھینچ مارتا تھا
 افتاد تھی جو بڑی اٹھائی
 نکلا ہے کدھر سے آج خورشید
 کیا شام وصال راہ بھولی
 تھنے خط تو اماں کے جیسے
 محبت کا مزا ہوا دو بالا
 تھا پیش نظر سیا کا پردا
 دارد ہوئی دیکھ بھال کے وہ
 جرم کا ہے کام پر وہ داری
 تھے اگر اب تو بے سکھا یا
 اس عمر میں سیکھنا ہے کیا کیا
 یک ہفتہ رہی امیں وہ دم

وہ جوگی وہ دھونی اور وہ آسن
 دکھیا تو دکھا رہی ہے تقدیر
 روح افزا اسٹیج میں داں
 دونوں کا بدل تھا تو صل منظور
 وہ غرق مجسم ظلم و بیداد
 خاطر کسی کہ درتیں عیاں کیں
 رورو کے بکاؤلی دل انگار
 پرتا تھا تو چشم و دل میں میرے
 مشکل نے مجھے اپنا تھا منا تھا
 ہمیشہ پھر سے تھے شیل فرگاں
 گھر میں رہنا گراں تھا میرا
 جو کہ کے سڑن پکارتا تھا
 سختی سہی یا کڑی اٹھائی
 طالع سے کبھی ایسی امید
 کیوں منہ پہ شفق خوشی سے پھولی
 یہ کہہ کے ملے بیہم وہ ایسے
 اک جان دو تین تھے سرو بالا
 دربان سی تھی در پہ روح افزا
 جب بٹے ہو س نکالی کے وہ
 بول اٹھی بکاؤلی کہ داری
 وہ بولی مجھے تو بکھر نہ آیا
 کیا بانیں ابھی بداسے کیا کیا
 بارے وہ مسر دو ہنستہ اہم

ہر ہفت عروس شادمانی
 آئی تو تھیں حیلہ غیر ممکن
 ہوش اُسکے ہوا ہوسے سے لے کر
 رہتے روپوش ساتھ چلکر
 بولی کہ کدھر گیا ارادہ
 کچھ خیر ہے مگر ہوش میں آؤ
 اب تو سیکھو کہ لکھو پتے ہو
 انگارے کو ہاتھ میں نہ پیچے
 بیدل نہ ہو تولیو قسم لو
 غم کھا کر جو چاہتے ہو شادی
 دانائی تھی بات کا بھننا
 شادی کے واسطے
 یوں فاسٹ نے کی زباں کشائی
 ماں سے بولی کہ حسن آرا
 احساں کا عوض نہیں جز احساں
 جو اپنے سے ہو نہیں ہیں بلہ ہر
 ہے عشق بکاؤلی کا روکی
 یہ میرے سبب سے پری سے
 راضی ہوئی تھے حسن آرا
 کینچوائی اُس آدمی کی شمال
 خلوت میں حبیلہ پاس آئی
 پوند سال گل پودے نہریں
 بھر بیٹے وہیں تکتے تھے ہیں

سمجھے بنتے کی مہمانی
 دعدے پہ ہمیلہ ساتویں دن
 ساتھ اُسکے رداں ہوئی وہ گلرو
 چاہا کہ وہ تاج لکھ کے سر پہ
 دامن کو پکڑ کے روح افزا
 الفت کے بہت نہ جوش میں آؤ
 نا فہمی سے خواہ ہو چکے ہو
 کاہ مشاطہ غم نہ کیجے
 جلد ہی تمہیں کیا ضرور دم لو
 گھبراؤ نہ پاس کے نامراوی کی
 سوچا تو نہ تھیں صلاح بھنا
 پیغام لیجانا حسن آرا کا بکاؤلی کی
 بیدل آنے جگہ جو جی میں پائی
 وہ شکر گزار روح افزا
 واجب ہو ادا سے حق مہاں
 حسن آرا نے کہا کہ ہستیر
 بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی
 میں ایسے سبب بھی ہوں جی سے
 راز اُن کا کیا جو آشکارا
 بلو اسکے مصوّر اک گھن سال
 وہ صورت حال ارم میں لائی
 چھیڑا کہ ہومہ سے عقدہ بردیں
 واجب نہیں اب تامل انہیں

بولی وہ جہتہ کیا ستاؤں
 ہوا ہے مری بکاؤلی کو
 مشہور ہو ضد الشرجانی
 حسن آرائے کہا جہتہ
 کا دس تری بے ثبات ہو یہ
 دودل جو ہوں چاہنے پہ لفظی
 بولی وہ جہتہ ہوش میں آؤ
 وچوڑنی آپ کے میں تر باں
 حسن آرائے کہا کہ خاموش
 اسباب نہ جمع کر ضرر کے
 بولی وہ جہتہ بھر کر دل کیا
 جب دل ہی پری کا آ گیا ہے
 انسان ہی تھے حضرت تیبان
 یہ قطار جہتہ کبریائی
 کیا شکوہ الہی نہ سنکے
 دم دھاگے میں رشتہ و نفس کے
 باہا ہونا بکاؤلی کا تلج الملوک کے
 شادی کے لئے ہو کلک شغوف
 حسن آرائی جو نیک تدبیر
 پہچان کے خال و خط سے انبلا
 بولی کو کیوں کہا کہ مانا
 وہ بولی کہ اس سے کچھ کو کیا ہو
 ٹھہری یہ غرض کہ آجکی رات

تو اپنی جو کچھ سے کیا چھپاؤں لب سونے کو وہ محل میں آما
 رہو چاہو بشر کی پاؤلی کا دانے کیا بکاؤلی کو
 یک جا نہیں رہتے آس پاس تصور بشر دکھائی اُسے
 جھگڑ کر یہ نہیں پسند چاہے تو نہ فرق تھا سہو
 سوبات کی ایک بات ہو لفظ سے وہی بگاڑ پایا
 یہ جان لے گیا کہ بگاڑا کسے گی دل میں یا الہی
 جا کر کسی اور کو یہ سمجھا بارے سے نہو خلاف وعدہ
 لپچاڑے مری پری کو انسان لپچا تو وہ بھیدی حسن آرا
 نکلے کہ کیا ہے کئے خس بڑا روح افزا کا جو آ گیا دھیان
 رکھ ہنہ بدواغ پر ضرر نہ مانا کہ ہمار فصل سے ہے
 وہ بولی نہ بھی کہتی ہوں کہ فرار میں تھی جو بھجیائی
 انسان ہو تو کیا مضائقہ ہے حسن آرائے کہا مبارک
 انسان ہی تھے مسخ و درالاج و حج یہ بنی ادھر بنا کے
 دریا ہے جو ہو دے آشنائی ستیہ شناس کو بھلایا
 انوس جو آدمی نہ سنکے خادمی کی خبر سے خوش خوش آئی
 پھندے میں پھینسا ہو پین میں کراتوں کو جو گنتی تھی ستائے
 ساتھ اور رہت اور ہر داں منہدی نے جسے باہو خرید
 آجست قبول دیدہ حرم وہ وال بہ گلاب سے نہائی
 دکھائی جہتہ کہ وہ تصور داں غارتے سے رخ نشینی خورشید
 وہ چپ جو رہی تو یہ سخن سا انسان بولی داں ستارہ افشاں
 پر کھوئے ہوئے کا کیا بگاڑا داں مانگ سے رنگ لکشاں ماند
 سمنے تو سمجھ کے کچھ کیا ہے داں زلف نے کھائے بیچ بڑتیج
 فیروز شہ آگے چھیرے بان میں کے نقاب عارض

افسانہ، عشق اُسے سنا یا
 لے آئی اڑا کے اُس پر ہی گو
 شاد ہی کی خبر سنائی اُس نے
 جاننے خط و خال و چشم و ابرو
 قسمت کا لکھا سا اُسے آ یا
 شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
 کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
 کرتی تھی اُسی کی رُخ نظر رہ
 تسکین ہوئی آئی جان میں جاں
 یہ نقل مطابق اصل سے ہے
 شرمائی سچائی مسکرائی
 ایجاب اُس نے کیا مبارک
 بن کھن کے بنا اُدھر سے آئے
 ساعت بھٹرائی دن دکھایا
 مشتاق کو جو شجر سنائی
 دن گنتے لگی خوشی کے باسے
 یاں سبر ہوا نہ سال اُمید
 یاں تازگی آبرو نے پائی
 یاں جم گیا منہ پہ رنگ اُمید
 یاں چیخ سے روشنی دوخداں
 یاں تملہ سر سے ہلے میں چاند
 طرہ کلغی پہ یاں تھا سر پہ
 سہرا ہوا یاں خضاب عارضن

یاں جامہ وفا کا اسنے پہنا
 تہمت کا بندھا ادھر کھیند
 آرائش تخت گل یہاں ہی
 یاں جلوہ فردش تخت طاؤس
 یاں چرخ سے چرخ میں سرس
 یاں روشنی کے بھے بچھا ہے
 یاں دھوم سے باج بچ رہے تھے
 نوشہ کے جلو میں یان پری زاد
 کلنگ کسی کا ہتھا ہوا دار
 گھوڑے بھے نوپا کی کی لت تھی
 تھا پا بر کا با سون مہینز
 کی سب نے ادھر سے پیشوالی
 پر نور تھے جسے ہر اور ماہ
 ہو کر بڑھے آگے کا بھل
 نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا
 سنبل کا جنور نو چتر گل تھا
 اُن غنچہ دہانوں کو بھلا یا
 منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے
 بیڑے تکھے پان کے مزدار
 دو رستوں میں اک گرہ لگائی
 وہ جان پری یہ آدمی زاد
 شربت دیدار سنے پلا یا
 پوٹا وہ ننگا ہیں سحر آگیز

زیبا ہوا واں بدن پہ گشا
 محرم کے گئے ادھر بند
 واں گل سے بہار بوستاں بھئی
 الماس کے واں بھے جھاڑ فائوس
 ہتھاب سے چاندنی کا واں فرش
 واں جلوے خانی انگلیوں کے
 بادل سے وہ واں گرج رہے تھے
 واں پریوں میں ذکر آدمی زاد
 گلگلیں تھا کسی کا باد رفتار
 ہاتھی بھے تو مستیو بخی دھت تھی
 وہ ماہ کہ تھا سوار شہیدز
 دز تک جو برات ادھر سے آئی
 فیروز مظفر ایسے دو شاہ
 باران گلاب و بارش گل
 سلطان فیروز رشک جم تھا
 ہر بالے بنے کاشور و غل تھا
 گل سے خوانوں میں زردہ لایا
 خورشید سا آفتا ہر لائے
 تلیاں پے مشکبو دھواں دھار
 جب عقد کی اُنکے ساعت آئی
 یکجا کیے وہ عروس و داماد
 چہر تے آسینہ دکھایا
 زلفیں ہوئیں چہرے کی بلا چیں

اس بند نگاہ بد بدل ہوتا
 سنگت ہوئی راگ راگنی کی
 لیتے ہوئے نیک راگ لائیں
 بول اٹھیں مبارک وسلامت
 خلوت میں دو لہا دو لہن کو چھوڑا
 ارمان سے سب وہاں کو نکلیں،
 دروازوں نے بند کر لیں انھیں
 ساغر پہ جھبکا وہ شینہ سے
 صحبت ہوئی دست زد سے دخواہ
 لب سیر ہوئی شراب دیدار
 ہاتھ آئی وہ بہر مستی خواب
 بھلا بردے سے شہاہ خاور
 خورشید نکلنے ہی سدھارے
 نکلے آراگم سے دخواہ
 مخلوط دو لہا دو لہن کو چھوڑا
 یاں رخ پہ عرق گلاب پایا
 یاں جوڑے کے منہ کارنگ بدلا
 یاں پر رومی میں چھپڑ تھی خوش آہنگ
 اور آنا گاشن رنگا رین میں
 گلک دوزباں یہ حرف زن ہو
 سوچا کہ بنا میں خانہ داماد
 اس فیل کو یاد ہند آئی
 دنیا میں ہیں سب وطن کو جو یا

جو چہرہ آتشیں پہ تل تھا
 جو بڑی جو ملی بنے بنی کی
 جو گانیں تھیں شہانے گا میں
 حق پاکے جو رکھتی تھیں قدامت
 پیارا تھا بنے بنی کا چوڑا
 پریاں کہ ہزار با بھری تھیں
 بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں
 طومار حجاب کو کیا سطلے
 متانہ ملا دو لہن سے نوشاہ
 مست آنکھیں تھیں رگ جام سرشار
 گردن تھی صراحی مے ناب
 جب ادھی عروس مرنے چادر
 ثابت وہ جو شب کو تھے تارے
 یعنی دو لہا دو لہن سحر گاہ
 منہ لھر کو براتیوں نے موڑا
 وہ حوش گلاب میں نہایا
 دال جوڑا چیت تنگ بدلا
 وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ
 نصحت ہونا لکج المایک کا بگاڑی کو لیکر
 غربت سے جو اب سروطن ہو
 شادی ہو کر وہ خانہ آباد
 غربت میں وطن کی دھن سمائی
 خلوت میں ہوا پری سے گویا

تو شعلہ کی سوئے آسماں ہے
 بولی وہ بکاؤلی کہ بہتہ
 رہے گا تو بندگی میں کیا عذر
 ماں باپ کے پاس دختر آئی
 دو سے پورے چار اس جگہ پر
 چو تھا ان میں یہ آدمی زاد
 غربت سے وطن کی چاہی نصرت
 دونوں ہوئے نکلے سر بہ زانو
 بولی ماں باپ سے وہ دختر
 اب کہے سنہسی خوشی سے نصرت
 قائم رہے کیے ہو سکے پر
 سائل کا سوال رو نہ کیجے
 خورشید کو ذرے نے کیا پشت
 کانٹے سے رُکا ہوا کا دامن
 تلو دیو بلائے باور قبار
 نصرت وہ ادھر ہے ادھر ہوش
 آئینہ سنج پہ پانی ڈالا
 گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دو
 تھا آب و ہواے خوش سرمایہ
 مانند حواس منتشر تھے
 آیا تاج السلوک آیا
 محمودہ لپکی دوڑی دتبر
 دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

اپنی تہ خاک کو رواں ہے
 فزم صخر وطن سمجھ کر
 چلے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر
 ہاتھ اُسکا پکڑ کے باہر آئی
 ہونے ہی دو چار خویش و دختر
 وہ تینوں تھے قوم کے پر زاد
 چو می اُسے زمین خدمت
 فیروز شہ و جمیلہ بانو
 غوطے میں جو آگئے وہ یکسر
 بردیوں سے جو کی ہو نسبت
 دعوے نہیں کچھ دیئے ہو کو پر
 لازم جو ہو اس میں کہ نہ کیجے
 پوئے کہ نہ سخت تھا زبردست
 انسان سے بھگی بری کی گردن
 یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار
 ہو کر دیوؤں کے زینت دوش
 اشکوں سے شگوں لیا نرالا
 سونیا مختار کو جو مجبور
 آئے تو وہ باغِ سخن بنیاد
 خیل و خدم اس کے منتظر تھے
 پہچان کے آب نے غل میا یا
 داخل جو ہوئے محل کے اندر
 بوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو

محسودہ دیکھ کیا بری ہے
 بولی کہ یہ گھر ہو امنور
 نشنودی آشتا مبارک
 بولی وہ بکاؤلی کہ مقبول
 خوش پوش ہو ایک جوڑی دوچار
 ہنخانہ ذہم و ہم آغوش
 اور ہم آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملک کا
 اسیوں نے کاغذ ہو نواسخ
 سے خرمن عیش پر شرر رید
 گزری اک عمر خواہشوں میں
 راجہ اندر کو یاد آئی
 خلقت ہو وہاں کی زندہ دل نیک
 آسن ہے تخت گاہ اس کا
 اُس بستی کا نام امرنگر ہے
 روحانیوں کا نشیمن اسیں
 آباد ہوا ہے وہ بستی
 مقبول جناب گریا ہے
 نغمے سے ہو ذوق شوق اُسکو
 یروں کا ناسخ ہو لیکتا ہے
 راجہ اندر کی بھرتی ہو
 باری پہ ہو بیخ سکی نہ تیار
 یاد آئی بکاؤلی دل آرا
 شہزادی بکاؤلی کہہ رہے

دلبر یہ وہی بکاؤلی ہے
 سبحان اللہ کہہ کے دلبر
 محمود نے کہا مبارک
 اُن مختصروں نے جب دیا طول
 یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہو تکرار
 درجے درجے رہیں وہ ذہوش
 طلب ہونا بکاؤلی کا راجہ اندر کی نخل میں
 تقدیر سے ہیں جو شادی درج
 از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز
 یک چند وہ نہ تھی کاہوش نہیں
 تقدیر سے جب مراد پائی
 اندر اس امرنگر ہو شہر ایک
 اندر ہے بادشاہ اسکا
 مصنون وہ قصا سے مقدر ہو
 یزدانیوں کا ہو مسکن اسیں
 کہتے ہیں مورخان ہندی
 راجا کہ کمال پارسا ہو
 خالق نے دیا ہے فوق اسکو
 انسان کا سرود و رفق کیا ہو
 باری باری سے جو بری ہو
 نیکن جو بکاؤلی دل افکار
 اک شب راجہ تھا نخل آرا
 پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے

آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
 ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
 بولیں وہ کہ کیسے پڑا دب کیا
 رشتہ ایک آدمی سے جوڑا
 جس طرح سے بیٹھی ہو اٹھا لاؤ
 مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
 گل کیسے تھے آفتاب و مہتاب
 سائے کے بغل میں چاندنی بھی
 اُس نقش مراد کو جنگا یا
 اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں
 جوڑا یہ خراب ہے بدلے
 بدلا مانند رنگ جوڑا
 لرزاں لرزاں مقابل آئی
 پوچھا کہ یہ جیسا کی کب سے
 ناپاک ہر آگ اُسے دکھا لاؤ
 سُٹھ دامن اشک ترسے ڈھا نیا
 صندل آتشکدے میں ڈالا
 ٹھنڈی ہو میں تھا جنھیں جلا پا
 جو نیک اُسے آگ میں جلن سے
 تھا چشمِ زردن میں دودا نظر
 شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاک
 چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
 آکر ہوئی انجن میں رقصاں

نہ پھیر کے ایک مسکرائی
 چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
 بولا وہ کہ چپ ہو کیوں بس کیا
 ناتا پریوں سے اُسے توڑا
 وہ سُسن کے خفا ہوا کہا جاؤ
 پریاں اڑیں اوپر اوپر آئیں
 دیکھا تو وہ دونوں کر تھے خواب
 مہبستر آدمی پری بھی
 غافل جو مونکوں نے پایا
 جاگی تو سب اُسکے جوڑکی تھیں
 بولیں کہ طلب کیا ہے چلے
 اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
 ساتھ انکے وہ تا بہ محفل آئی
 راجہ نے نگاہ کی غضب سے
 بو آتی ہے آدمی کی لے جاؤ
 شعلہ سا پری کا جسم کا نیا
 پریوں نے کشاں کشاں نکالا
 کا فود سسی جل اُٹھی سراپا
 جو آتش گل نہ لے جن سے
 جس رنج پہ پتھی کا گل معنبر
 جس جسم پہ بھی نفیس پد شاہک
 عیسے نفس ایک خضر آئی
 شعلے سے زیادہ پاک داماں

اغیار ادا سے کر لیے یار
 راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
 جل بچھ کے سدا سنا یو کسوز
 پترال پترال ہو اسی آئی
 شب کی پوشاک پہنی ساری
 ہنخواب تھی آنکھ بند پائی
 جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
 یعنی تاج الملوک بہوش
 پر دوسری شب وہ جاگے جاگا
 پہلو میں جگر کے دم نہیں ہو
 جھٹھلا کے پلنگ سے اٹھا شیر
 بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
 جانا کہیں دل کسی سے اسکا
 سمجھا وہ پلنگ چار پا یہ
 پل ہارے ہو گیا سویرا
 وہ نقش و فاعل میں آئی
 گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
 مٹا بی یہ آیا وہ سر شام
 پینا ڈکبات و مہر و شمع
 دل اسکا بھرا تھا جام کیالے
 دیکھوں جانی کہاں ہو عیار
 میں آج نہ ہو نگا شامل دور
 سشیشہ ہوا چور چور سارا

ناچی گائی غیب ناچار
 بزخاست کا وقت صبح دم تھا
 بولا جا یوں ہی آئی روز
 رخصت پاتے ہی وہ ہو آئی
 پیشواز کنارے حوض اتاری
 بیتاب آراگمہ تک آئی
 یوں بیچ بہ اس کے سوئی بیتاب
 وہ آہوئے مست خواب خرگوش
 اُس شب کو نفل میں آگے جاگا
 دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
 حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر
 دائیں دیکھا نفل نہ آئی
 عورت بھی گماں سے کھٹکا
 اثر در نظر آ یار کا سایہ
 آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیل
 جاگا تو بری نفل میں پائی
 دانستہ خبر ہو انہ بیتاب
 جب مہر نلگ گیا لب بام
 معمول سے بزم میں ہوئے جمع
 جام اُس نے بھرا کہا پیالے
 ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
 بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
 ہٹ اُس نے جو کی تو ہاتھ مارا

چرکے لگے اسکے اُن گھلیوں پر
 عفت سردت ہاتھ آئی
 چھڑکا نکا اُن جراحیوں پر
 بیدار رہا تو آہِ حشر شب
 ثابت ہوا ٹوٹا ستارا
 پوشاک بدلنے کو گئی وہ
 پوشیدہ ہوا رنگ سایہ
 ذرہ ہوا ہر کاب خورشید
 پہنچی اُس نرم میں سماں پر
 برصوت و صدا وہ دائرہ تھا
 مرکز پہ وہ مجسم بخت بھرا
 پھینکا اُسے پھول سا اٹھا کر
 تھا پہلوے گل میں صورت خار
 تاباں ہوئی راگ میں سے اگلر
 دل لیتی ہوئی چلی دل آلا
 آگے کھٹی پری تو پیچھے سایہ
 پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
 خبرے کو اُٹھی وہ صورت ناز
 خود راگنی آکھڑی ہوئی تھی
 سلت کا بلکھا دجی تھکا تھا
 لیس طبلہ نواز زری بلائیں
 فرماؤ تو بندگی بجاؤں
 کیفیت اتفاق نے دی

ہوتی ہے جو نیک شیشہ خنجر
 بیداری شب کی گھات پائی
 کف میں نکلیں کباب لے کر
 بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب
 پرووں نے ہوا سے تخت اتارا
 سوتا اسے جان کر اُٹھی وہ
 اُس تخت کا یہ پجڑا کے پایہ
 بن بھین کے جب آئی رشک ناہید
 جانے ہی زمین سے آ سماں پر
 لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
 ٹھیکے پہ پہنچ کے تخت بھرا
 آشکدہ پرووں نے بنا کر
 شہزادہ کہ زیر تخت زر کار
 فریاد نہ کرنے پایا مضطر
 راہ جس رُخ تھا مفضل آرا
 ہمراہ چلا وہ جھوٹا پایہ
 مفضل میں جو آئی شمع مفضل
 جو گاتی تھیں بیٹھی نسل آواز
 وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
 رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا
 شہزادے نے دیکھ دایں بائیں
 آہستہ کہا کہو تو آؤں
 اُسے جو پکھا دج اسکو دیدی

سب آنکھ بلا کے کہتے تھے آ
 بخشا راجہ نے نو لکھا ہار
 کا نہ سے پہ بکھا وجی کے ڈالا
 برہم ہوئی بزم اٹھے سب گیار
 چہاں ہوا زیر تخت اسی طور
 وہ جمع سدھاری اجمن سے
 تاروں کی جھاڑوں میں گھرائی
 یہ آٹھ بنجا کے سوئے بستر
 آغوش میں آگے لگایا
 خنداں خندان اٹھا وہ بشاش
 بے رنگ بگاڑی نے جانا
 ہنستا نہیں بے سبب کوئیوں
 آتش پہ کہاں دیکھا تھا
 دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
 خورشید تھا آتش تنق میں
 عالم میں رہو گے رونق افروز
 گلزار خلیں رو برد تھا
 سرسبز ہو قوم آتش پر
 شعلہ ہوا اجمن میں رخصاں
 جو نایح نہ جاؤ ناجتی ہوں
 بخشا مہ اجمن نے ہا لا
 وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
 بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

تھا سم یہ یہ اُس بری کا نقشا
 محفوظ کیا جو سب کو اکسار
 انداز سے اُس نے لیکے نالا
 برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
 لے ہار وہ شانزادہ فی العوار
 بادِ سحری چلی جو سن سے
 خورشید سے پہلے اوڑھ کر آئی
 وہ حوض کے زرخ چلی اتر کر
 وہ آئی تو غافل اسکو پایا
 جب پردہ صبح ہو گیا فاش
 اُس چمنہ دہن کا مسکراتا
 ہنستے ہنستے کہا ہنس کیوں
 بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا
 بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
 بولا وہ کہ رات کو افق میں
 بولی وہ کہ مہر سے شب و روز
 بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا
 بولی وہ بشر ہو تم دلاور
 بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں
 بولی وہ کہ شعلہ میں بری ہوں
 بولا وہ کہ جب ہوا آد جالا
 ہالہ میرا سخن کا کیا تھا
 گہرائی بری کہ میں یہ کیا ہے

پچانتی ہو وہ طبلے والا
 اوپر اوپر فرے اُٹانا
 بولی کہ سن لے صلاح دشمن
 ڈر ہے کہ نہ بچھ پہ آئیخ آئے
 تم نام نہ واں سنئے چلئے کالو
 جلن آ پہ سپند چشم بد ہے
 میں دو قدم آگے ہو چکا کھڑے
 لیکن اسل نے کہا نہ مانا
 یا نسبت یا نصیب یا نخت
 لے چلئے تو زاجہ لائے گاراگ
 گاٹی یہ عنزل مقام پاکے
 غل مہتاب میں آفتاب دے دے
 باقی ساتی شراب دے دے
 اپنے منہ سے جواب دے دے
 مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
 جو چاہے وہ جیاب دے دے
 اندر کی بددعا سے اور تیخانے میں ہر
 لہنا تاج الملوک سے اور کھڑنا تیخانے کارانی چیراوت کے حکم سے
 یوں پاسے قلم ہوا ہے بھاری
 گاٹی اور ناچکی بڑی تھی
 جو چاہے آج مانگ مجھ سے
 مانگا کہ یہ دو بکاؤ کی کو
 خاطر کی مراد بس یہی ہے

کاندھے پہ تھا جکے رات ڈالا
 لیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا
 یہ سن کے پری وہ سوختہ سن
 میں چاکے تجلی تو غم نہیں ہاے
 میرے جلنے پہ خاک ڈالو
 آفر و خستہ آتش حسد ہے
 بولا ذہ کہ یہ ہو گا مجھ سے
 سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا
 جازم ہوا شب کو آئے ہی تخت
 واں جا کے وہ سوچی اسکو لالگ
 سنگت کا بکھا ڈجی بنا کے
 ساتی قح شراب دے دے غل
 نسائی باقی جو چلے ہو لے لے
 اُس بت سے نہیں سوال کھ اور
 لیئے میں نے نکتے بسایا
 اُس گل سے نیتم زرد نہیں مانگ
 نصیف پھر ہو جانا بکاؤ کی کاراجہ اندر کی بددعا سے اور تیخانے میں ہر
 لہنا تاج الملوک سے اور کھڑنا تیخانے کارانی چیراوت کے حکم سے
 ہے اب جو بیان سنساری
 خوش لہجہ بہت بکاؤ کی تھی
 راجہ لے کہا کہ خوش ہوں مجھ سے
 دکھلا کے اُسی بکھا ڈجی کو
 ارمان یہی ہو س یہی ہے

مانگا جو بشر بری نے بیابک
 بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
 کھو یا بگھے تیری آرزو نے
 کی ہو حرکت خلاف آئیں
 اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
 قالب ترا انقلاب کھائے
 بارہ برس اس طرح گزر کر
 اُس وقت جہاں تو چاہے جائے
 روئی وہ بگاڑ کی یہ سُن کے
 خواہش جو بلا سے جاں ہوئی وہ
 ناری بھی بری ہوا بتائی
 سایہ ساز میں پہ جب گرا وہ
 سیرے کی دھوپ بچھاؤں محل
 چشمہ اک آفتاب سا تھا
 بریاں بچھ اُدھر نہانے آئیں
 بولیں یہ وہی کچھاوجی ہے
 وہ جو ہمکے بول اُٹھا کہ تند
 اندر کے غضب سے بنکے پتھر
 پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
 یہ تیکے اتاری سب نے پوشاک
 پر وہے کا جو کچھ خیال آیا
 بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
 سوچا وہ کہ انکو دیکھے جل

راجہ اندر ہوا غضبناک
 لے چشمہ آفتاب سے آب
 جاتیری سزا ہی کہ تو نے
 پتھر کا ہونصف جسم یا میں
 بعد اسکے خاک میں گئے تو
 جامے میں تو آدمی کے آئے
 پھر تجھ کوئے یہ بری کا پیکر
 تو اسکو ملے وہ بچھ کو پائے
 تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
 ملکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
 خاک کی تھلا بشر زمیں جھنگائی
 افتادہ کو سوچنے لگا وہ
 صحرا میں بچھی بھی سو گیا مثل
 عاشق کی طرح رہا ہوا تھا
 دیکھا وہ بشر تو کھلکھلا میں
 عاشق جس پر بگاڑ کی ہے
 تبتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
 ہو بت سی وہ ایک ٹھہر کر اندر
 لولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
 باہر ہو میں جامے سے وہ بیابک
 تن چادر آب سے پھیلا یا
 موجیں باہم اُڑا رہی تھیں
 خس بوش کیے وہ جامے گل

باہر صید آب و تاب آئیں
 جانا کہ حریف نے اُڑائی
 رُک رُک کے قدم بڑھاتی آئیں
 جیکالی کس نے شیخ ابرو
 ہنس کو بھی بکاؤ کی نہ جانو
 ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو
 بولیں وہ حیلو کہا شرم بکھاؤ
 ستار کی تئیں سب نے کھامیں
 خلعت سادیا لباس اُنکا
 ہو جسے ہوا حباب میں بند
 اُس مغل کو اُڑایا صورت، کو
 سنگدل تیب اُسکو لے گئیں وہ
 دیوانے کو باؤلی بتائی
 ششدر ہوا چار سمت پھر کر
 شق مثل قمر ہوا در اُسکا
 جسم آدھا پری تھا آدھا بھر
 تھا گواہ سُرین کے آگے بانگ
 سینے سے لگا لیا پری نے
 کس سختی سے تم بغیر گد رمی
 تم کو بولمہ نہ کچھ کہا مقدر
 پھر پریوں کے تھر سے اڑے ہم
 سختی اب دور ہو حسدایا
 بولی وہ پری کہ اسے دلاور

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
 پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
 جھک جھک کے بدن جڑائی آئیں
 دکھلائی کسی نے چشم حسادو
 جھنجھلا کے کہا کہ لا اکر مانو
 بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
 پوشاک جو لینی ہو تو پہنچاؤ
 عزائی کے تنگ سے بچائیں
 شہزادے نے کر کے پاس اُنکا
 پریاں ہو میں رخت سچ کے خزند
 تانے پہ چڑھا کے مثل کیسو
 واقف اُس بتکدیے تھیں وہ
 وہ جاے بکاؤلی بتائی
 بتخانے میں تھا طلسم کا در
 عقدہ کھلا شام ہو کر اُسکا
 دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
 تھی نان سے لیکے تا پانسنگ
 چوے جو قدم اُسکے زمی نے
 زمی سے کہا بخیر گذری
 ہمبر تو بڑے دہاں پہ پھر
 گر پڑ کے زمیں پہ مثل سنبنم
 جذبہ تم پاس پہنچ لایا
 تا آخند شب نسا نے کہہ کر

ہوتا ہے عسکر کو بند بنیاب
 کل پھر سر شام خیر سے آؤ
 زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر
 دامن پہ مثال اشک ڈالے
 قدموں پہ گرا بگاولی کے
 آسنو چھوڑے گہراٹھالے
 پتھر اٹھائی چشم حلقہ در
 آگے کو بڑھا جلا سوسے شہر
 مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
 جو جوتے چاہیے تھی لے لی
 لے گوہر شبنم آیا پڑ سوز
 تاباں ہو کے اپنی ماہ واختر
 اُس برج کے نوح وہ مدد دھلا
 رگڑا انھیں اڑیوں پہ مار تھا
 لی صبح کے ہونے راہ ٹھری
 راجہ کے محل کے جانب آیا
 غرنے میں سے کرنی تھی نظارہ
 صورت پہ ندا ہوئی وہ بے پیر
 دان تیر نظر جگر سے گذرا
 باب اسکا اسی کے ساتھ بیاہو
 مشاطہ خوش ادارواں کی
 خوش خوش آئی دکھا مبارک
 دختر رکھتا ہے ماہ سیما

یہ درمانند چشم بیخواب
 پیش از دم صبح آتم نکل جاؤ
 مصرت کہ جو ہو ضرورت زر
 کاڑوں میں سے موئی کچھ نکالے
 صدتے وہ بشر ہوا پری کے
 بالوں اُسکے چھوٹے تو رخ سزایئے
 نکلا جیسے ہی مٹھ کے باپہر
 آنکھوں سے یہ دیکھنا ہوا تہر
 بازار میں جا کے نیچے گوہر
 گھوڑا جوڑا نفسہ حویلی
 جب منزل شب میں رہروروز
 گنبد گردوں کا تھا جو بنے در
 تیاروں سے کر کے استخارہ
 دیکھا نو در قبول دا تھا
 شب سایہ زلف میں بسر کی
 تقدیر لے راستہ بھلا یا
 چہر اوت اُس کی ماہ یارہ
 دیکھا تو جواں بھتا یہ تصویر
 یاں پردہ در نظر سے گذرا
 دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
 راجہ سے خوش خبریاں کر کی
 شادی کی خبر سے وہ یکایک
 اُس شہر کا پتر سین را جا

ہر ملک کے شہر یا آسائے
 راضی تھے وہ بے پیر
 جیسا وہ ہوا کہا کہ جا حبا
 دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
 الفت میں ہے آبر و گنہانی
 مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
 ہٹ دیجھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
 پایا جو جو اب فقط نے
 تقدیر کی بات ہونے والی
 من سانب کاران سے نکالا
 کیا جو ہر ہی مول کرتے اسکا
 جو بد عیوکل کا مذعاب تھا
 جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
 من پھین کے چوری کے بہانے
 زنداں میں وہ نیم جان و سہل
 غم کھا کے لہو کے اکھوڑٹ پینا
 والا دغہ تجس جھانسنے
 یوسف کی خسرنے اوزینا
 اس پچاہ میں کام ہونہ جانے
 وانا تھی وہ جیلخانے لے کرئی
 دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر
 آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے
 پابند بلا وہ سبستلا تھا

شہر کے تاجدار آئے
 طاقت نصیب تقدیر
 کیسی رانی کہاں کا راجا
 نیچے کی گرہ میں کیا ہر جزا
 کب چشمہ مر میں ہر پانی
 دُر ہومے سامنے سے چل دوا
 قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
 آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
 زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
 بازار آیا وہ سرور بالا
 راجہ تک رفتہ رفتہ پونجا
 موقع وہ ملا تو کیا بڑا تھا
 سمجھا کے دبا کے دست پاکے
 بیجا کھلے بندوں قید خانے
 زنجیر میں پانوں زلف میں دل
 دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
 رانی سے کہا کسی بہانے
 زنداں میں ہے وہ عزیز مرنا
 یہ ماہ تمام ہونہ جائے
 بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
 تھی حلقہ بہ حلقہ زلف و زنجیر
 زنجیر اسکی ہلائی اُسے
 کب اسکو خیال بند پاتا تھا

رانی نے جو زید کی نگہ کی
 قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
 اٹھا وہ پری کی آرزو میں
 واں دُھن کہ صنم سے کد خدا ہوں
 تجویز میں اپنے اپنے مفہوم
 راجہ نے سنا رہ واں کا بلا یا
 دن ڈھل کے وہ ماہ نور شام
 دروازے کا مٹھ کے دیدہ وا تھا
 آیا تو وہ کب سے کئی کئی راہ
 دیکھے جو خانی ہا تھ بے لگ
 پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
 تو نیت یہاں تک جو لاتی
 قدموں سے لگا پسا ہوا وہ
 رانی کی وہ مسر سرگرائی
 من تھے اپنا قید ہونا
 چتراوت کا وہ آپ آنا
 شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی
 غم تھا کہ ترسے قدم سے چھوٹا
 پیار ہی یہ نہیں جانی چنگال
 زنجیروں سے پاؤں سے نکالا
 کالے ڈسپس ہاں اگر چہ سے ہوں
 بگڑی وہ کہ چل بنا نہ بائیں
 میری مجھے ایسی کیا لگی تھی

بڑی کٹوائی بے گنہ کی
 انکار روگریز جانے دواؤ
 یہ سبھی کہ بھانسا گفتگو میں
 یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں
 آئی تو محل میں جگنی دھوم
 سعدین کا زرا پیمہ مسلا یا
 غائب ہوا سر کر کے کچھ گام
 تو بہ کا در تھلا ہوا تھا
 دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
 تلووں سے پری کے لگ گئی لگ
 کس راہ کی زن نے رہنی کی
 مندی پاؤں کی کھس نہ جاتی
 مندی تھا جو رنگ تھا کہا وہ
 راجہ کی وہ تھر حکمرانی
 داموں کے لیے وہ صید ہونا
 سب کہہ کے کہا خدا سے داننا
 بے ترسے تھی برگ زندگی
 شادی کے ہائے غم سے چھوٹا
 ہاتھ ایسے لے کہ ہو گئے لال
 زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ والا
 چھائے بڑیں گال اگر چھپے ہوں
 مجھ سے کوئی تھکے ایسی رکھائیں
 تلووں سے ترسے خنالی تھی

آسان نہیں کر دی اٹھانا
 فولاد جگر کہو تو میں ہوں
 آسائش جاں نہ تندرستی
 سنگینی گران نہ جلنے کا دارع
 پتھر کے تلے دبا ہو دامن
 تم تو کرو شادی ہم کز بس رنج
 ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
 اٹھا بھاتی پر رکھ کے پتھر
 بستر پہ تھی شکل نقش دیبا
 تھی چین بچیں سکن کی صورت
 جالی تو ملاکنسار میں وہ
 سوختہ نصیبی اپنی جانی
 شب کو ہوے داخل نیشستاں
 خلوت خانہ تھا گوشہ دل
 پر دل جو ملانہ تھا جدا تھے
 اٹھ جلنے کا سو بچتا تھا پہلو
 آسینہ کی پشت پر تھی تصویر
 غفلت آئی تو سو گئی وہ
 لپکا تو پری کے رخ کیا یہ
 دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
 جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
 کل سمجھو بھی کہہ کے سو رہی وہ
 ہم بستر خواب سرگرائی،

تنگ آیا تو دیکھہ قید خانہ
 پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
 سستی ہوں جاں کی سختی سستی
 اس تنگ نفس کو سمجھی ہوں باغ
 قسمت سے منفر ہوا ب نہ مامن
 کب چاہیگی عقل مصاحت سنج
 راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
 وہ متقد اسکے پاؤں چھو کر
 آیا تو وہ نو عروس زینبا
 نیند آئی جو تھی لصد کدورت
 سوئی تو تھی انتظار میں وہ
 سونے جو کئی شب جوانی
 تھے صبح سے دونوں شام جواں
 دونوں تھے تصوروں میں کامل
 دو آنکھوں کی طرح ایجا تھے
 کر وٹ لے کر وہ عنبریں مو
 چیلی ہوئی پیٹھے سے وہ دلگیر
 حسرت بچائی تو کھو گئی وہ
 غافل اُسے چھوڑ کر اٹھا یہ
 یہ جا کے ہوئی وہ فتنہ بیدار
 دوری نے جو جسے کی درازی
 اُس رات کو چیلی ہو رہی وہ
 وقت سحر اسکو پا کے رانی

خلوت خانے سے باہر آئی
 حکم ان کو دیا کہ شام کو آج
 ساکیے کی طرح سے ساتھ رہنا
 جسوقت چلا پری کا مانوس
 وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا
 اک ان میں سے رانی پائل آ یا
 صورت یہ ہے جو بنگاہ کی ہے
 آنکھوں سے اس انجمن کو دیکھا
 لعل و گہرا ایک برج میں ہے
 آنکھ اسکی پہ نیکے خوں میں ڈوبی
 یاں اُسے کہا وہ بوج کھنڈواؤ
 یاں سے چلے لوگ دانسے وہ زار
 توڑا وہ مٹھ حساب آ سا
 شہزادے کے آگے بچانے
 پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ
 بنیاد وینا دکھو دوانی
 غائب رہتے تھے روز شب بھر
 سنتے ہی وہ بھیتر لڑ لیکا
 دیکھا تو وہ ماہر و نہ وہ برج
 شور اُسے کیا کہ کیل یہ شر ہے
 بنیاد پر افسانسی کی بانہی
 کھنڈوا یا جب اُسے مٹھ لصدور
 واں ٹھوکر میں کھانی سخت تھیں نہنگ

دربانوں کے پاس درپہ آئی
 جانا ہمراہ صاحب تاج
 جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
 سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
 وہ برج وہ مسکت ام دیکھا
 کی عرض کہ لا سراغ آ پایا
 اک مٹھ میں مورت اک پری ہو
 پیکجا بت و برہن کو دیکھا
 شمس و ثمر ایک برج میں ہو
 مرتخ بنی وہ ماہ خوبی
 واں بولی بکا ڈولی کہ لو جاؤ
 لیکا یہ ادھر ادھر وہ جو حواری
 چھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
 انعام دیا کھلے خزانے
 اور اُس سے کہا کہ لو سنا کچھ
 جاسوسوں نے کھو دکر نکالی
 اب دیکھو گے جاگے خاک پتھر
 دوڑاے آنتیا ر لیکا
 وہ لعل گراں بہا نہ وہ برج
 آواز آئی کہ بے خبر سے
 ہو سوت مری وہ تیری رانی
 رہنے کو ملا نہیں مکان اور
 سنگت بجائے خوشیتن سنگ

جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
 ڈوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
 گویا وہ ہوا پنجوشس بیانی
 تو خا رہی سچ کن ہوئی کیوں
 محنت ار خدا ہے بندہ مجبور
 راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس
 گذری ہزار کامرانی
 درجوان ہو کر ملتا تاج الملوک
 صفحے کی زمیں پہ دانہ افشان
 جیسے کہ ہو گرو باد بر باد
 سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
 کھیتی کی ہوئی زمیں پہ وا شد
 کھانے لگی نوح نوح کے ساگ
 سرسوں سا تھیلی پر جم آیا
 سرسوں آنکھوں میں ب کی پھولی
 سید ا ہوئی آک حسینہ ذ خیر
 فلفل سی وہ ماں تھی پیش کا فیر
 لوگ آنے لگے بے نظارہ
 یعنی تاج الملوک و لتنگ
 دیکھا تو کھسا نظر میں انوں
 سانچے میں تڑ پھل کے نکلی کندن
 آمد کا وہ قول یا د آیا
 دولت صدے یہ سیر دے

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے
 حیرت زدہ چپ خوش سنساں
 آیا تو پہنسی وہ شوخ رانی
 تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں
 دوراں کو تھا انقلاب منظور
 اُسدن سے ہوا وہ اُس سے مانوس
 جب کام روا ہوئی وہ رانی
 پیدا ہونا بلکا ولی کا دہقان کے
 گھر میں ا درجوان ہو کر ملتا تاج الملوک
 نقطوں سے ہوا ب قلم کا دہقان
 جب مٹھی کی رہی نہ کج و بنیاد
 دہقان کھے نئی زمیں کے جو یا
 جب جین سے کہ چلے تردد
 دہقان کی زد کے کھلے بھاگ
 کھاتے ہی حل کا ڈھنگ پایا
 وہ بانجھ تھی جب حمل تبتولی
 ایام مستر ری گذر کر
 صورت میں پری جال میں حور
 مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ
 وہ منتظر منظور نیرنگ
 چر چا سُنکر چلا کہ دیکھوں
 جانا کہ پری وہ سوختہ تن
 چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا
 دہقان سے کہا کہ سیم وزر سے

یہ باتیں نہیں تھیں مناسب
 بختی نہیں لعل بے بہا ہے
 جب تک کہ ہو کام نکا نہیں بار
 عورت ہو جو ان تو اٹکلے کچھ کام
 آیا کیا اسکو دیکھنے روز
 بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
 بائیں کرتی تو پھول پھرتے
 دہتھاں ہوئے خواہنگار اسکے
 بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
 شادی کو کہا حیا اٹھا کر
 تم کوہِ وقتا میں پر کاہ
 نسبت ہی برادری میں زیبا
 بول اٹھی کس آن سے کہ بابا
 ہی دختر ز نصیب مے کش
 وقت آنے کا منتظر رہا وہ
 واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
 آئے ایام نیک بختی
 پیکھوڑے مکان کے لیگی ساتھ
 دکھلا کے کہا یہ لے خرینہ
 تو کیا جانے بگا ویلی ہوں
 لائی ترے گھر جو مجھ کو قسمت
 وارہ دہوئی اور کہا کہ لے خرت
 دامان نظر سے منہ چھپا یا

دہتھاں نے کہا کہ میرے صاحب
 دستہ جو پسند نہ لقا ہے
 پھل سے نہیں پڑ کو سروکار
 سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
 یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
 دن دن اسے ہو گیا قیامت
 چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
 خواہاں ہوئے ہمو قار اسکے
 کہ بے شرمگی اپنی دہتھاں
 شہزادے نے ایک دن پھر آکر
 دہتھاں نے کہا کہ یا شہنشاہ
 صحبت ہی برابر ہی میں زیبا
 دہتھاں زادی وہ بے مجا با
 خواہاں سے مرے نہونا ناخوش
 مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
 پاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
 گذرا بارے جو عہد بختی
 دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
 واں ترھا کسی وقت کا دینہ
 کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
 اک آدمی زادی بدولت
 ناگاہ سمن پری نے سخت
 رخت اُسنے سچ کے سخت اڑایا

چترات کا محل حدسہر تھا سوتا جس رخ وہ سمیہر تھا
 داں جا کے ہوئی وہ نور آگیں چہد پروانے کے اپنے تمنع بالیں
 سدا رکھا وہ ماہ پیکر جاگا تو تھا آفتاب سرسیر
 اٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی آواز سے چو تک اٹھی وہ رانی
 منہ دیکھتے ہی بکاؤلی کلا سایہ اُسے ہو گیا بری کا
 بولی وہ بکاؤلی سیانی ہے سوت مری ہی وہ رانی
 بولا وہ کہ نوڈی ہے تھاری یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
 چوٹی ہے مری تو ہاتھ ان کے چہد چل آ کہ چلا میں ساتھ انکے
 رانی نے کہا کہ گو یہ ہی غیر میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
 یہ بات بکاؤلی کو بھائی شہزاد کے کے ساتھ اُسے بھی لائی
 اڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں کیا دور تھا گلشن نگاریں
 مدت کے جو بعد گھر میں آئے کھولے ہوئے جیسے پائے
 فردوس کی بیسوا وہ دلبر مسعودہ دیوئی کی دختر
 چترات چتر سین کی جان آرام آرام بکاؤلی جان
 ان چاروں میں ایک مست بارہ پورب کا آباد شاہ زادہ
 پانچوں سر بنجہ رونا تھے یا خمسہ مطلع صفا تھے
 ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع آمد ہوئی استر باکی مسوع
 نیروز شہ و جمیلہ دانا حُسن آرا اور روح افزا
 پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو اطرات سے ملک کے مین نو
 جو جو آیا بلا تکلف اک قافلے سے ملا وہ یوسف
 سلطانوں کی قدر دیناں کیں ہمانوں کی مینر بانیاں کیں
 چندے رہا مجمع بدونیک رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
 روح افزا سے بکاؤلی کو الفت تھی روکی دل لگی کو

رکن ہوا اس بری کا مشکل یہ دل لگی اب لگائے گی دل
عاشق ہونا بہر دم دزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا بری پر اور

نشادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم پہ داستاں آئی
روح افزا کو بکاؤلی نے
اک شب کہ وہ زلف سرخاں تھی
وہ مست مے فسانہ گوئی
سلطان کا دزیر زادہ بہرام
لٹکی دیکھی بری کی چھوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے
جب کاکل شب سے رٹے خوشید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج
بتیابی نے بکھ ترار پایا
متابی پہ چاندنی جب آئی،
اس نقنہ کے خواہگہ تک آیا
تجویر رہا تھا گھات گول کی
آغوش کی موج سے وہ مضطر
بیچھا کیسے صحن تک وہ آیا
مٹی اُسے خاک وہ ہوائی
ہوئے ہی سحر وہ روح افزا
معتوق سے رہ گیا جو ناکام
تہا وہ سن بری تھی اک روز

یوں شاخ قلم ننگو نہ لائی
رو کا جو یہاں کئی مہینے
یا آتش مہر کا دُحساں بھی
متابی پہ چاندنی سی سوئی
گلگشت چمن میں تھا گل اندام
ناگن سی اسکے دل پہ لوئی
بھاگا سائے سے اُس بری کے
تاباں ہوا بہر چشم امید
رکھتا تھا درنگانہ وہ درج
مجبوری میں اختیار پایا
سائے نے بری پہ کی چڑھائی
مانند نہادہ مہ تک آیا
ناگاہ وہ مست خواب چونکی
مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
متاب کے پیچھے جیسے سایا
انسان کو بری نہ ہا تھائی
رخصت ہوئی کھر کو رکھ کے پردا
تھا غم سے کنار گور بہرام
قدموں پہ گرا کہا لصد سوزا

دل سے ہوں خدا سے روح افزا
 بولی وہ ادسے بشر مڑی ہے
 شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو بیل
 بولا وہ کچھ مجھ سے اُس سے ہوزا
 راقف تھی بری کے دیس سے وہ
 فردوس میں بالن ایک تھی حور
 پوشیدہ گھر اُسکے لائی اُسکو
 فردوس کی سر کے بہانے
 روح افزا کے لیے بنفشہ
 حاجت کو ذرا گئی جو باہر
 تھری کیا کہ بے مروت
 انوس سنبھے تو آرزو ہو
 لیکن تو زبک خود نہا ہے
 یہ لکھ کے ہٹا تو بالن آئی
 روح افزا کا سنگار کر کے
 اُلبا اُسے اُسینہ دکھایا
 مضمون جو بڑھا بری تھی دانا
 مشاطہ کو دیکھ کر ایسی
 ہاتھ آ کر جو نہ پائے وہ کون
 سوچی تو نہ بو بھی وہ کہا کل
 ہستہ اُس سوچ کو سمجھ کر
 وہ جانتا تھا نہ اُسکو سو بھی
 ہاتھ آ کے نہ پاسے جو وہ مجدوب

مرا ہوں براسے روح افزا
 روح افزا کیا بگاڑی ہے
 ہتھارے فلک نہو گا بادل
 شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
 لے پونجی زانے بھیس کوڑا
 گل جسیرہ بری بنفشہ مشہور
 تھہرتی ہن نبت لائی اُسکو
 جھوٹا منزل پر رہنے لے
 گلدستہ بناتی تھی ہمیشہ
 بہت رام لے پخت آئینہ پر
 آئینہ ہے تجھ کہ میری صورت
 اور آئینہ تیرے رو برد ہو
 خود بینی سے جو کرے بجائے
 گلدستہ بری کے پاس لائی
 محو اُس کی ہوئی جو بیار کر کے
 خط سبھی وہ کا کلوں کا سایا
 نقش عمل نگار جانا
 بولی کہ بتا تو یہ ہیلی
 ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
 کہدوں گی یہ کہہ کے آئی بیکل
 بولا کیا ہے کہا اُجھ کر
 بولا تو بات کیا ہے بو بھی
 ہو کر نہ دکھائی دے وہ مجدوب

وہ سنلے جود سے رون آئی
 سمجھی وہ کہ بو چھرائی ہے یہ
 بولی وہ کہ ہاں سنبھے نہ سمجھی
 روح افزا لے کہا کہ نادان
 بولی وہ ابھی چیل میں لائی
 اس شڑے کا منتظر ہی تھا وہ
 امر د کا لباس تھا زانا
 پلچھا کہو نام کیا کہا تنگ
 یہ سنلے اشارے سے ٹھایا
 وہ جا کے کسا یہ پردہ پوشی
 بہرام ہے تو ارے وہی چوڑ
 بر میں سمجھ کے گو رکا نام
 طوق اُس کو طمس کا پھنایا
 دن بھر تو وہ فاختہ ایڑھائی
 نماز تھی اک خواص اُسکی
 اک دن پنجاڑ اُسکے لائی
 کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
 شام جو اُس لشکر کو پایا
 لوگوں سے کہا ہٹاؤ اُسکو
 اُسکو لے چلے جانے
 ہزارہ بگاڑتی کے ہمارہ
 دیکھا تو وزیر زادہ ہستہ رام
 بطن سے پناہ دینے اُسکو

تقریر سنی ہوئی سنائی
یو چھا کس نے بتائی ہجر یہ
منہ بولی بہن نے میری بو بھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
جا کر طلبی اُسے سنائی
ساتھ اُسکے زمانے میں گیا وہ
دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
با دام بنفشہ کو دکھایا
گندیم کے بہانے جو فرودشی
رہ بچھ کو بناؤں سحر سے گور
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
تمری اُسے سرو نے بنایا
شب کو اُسے آدمی بنا تی
دساز تھی وقت خاص اُسکی
حسن آرا کو وہ کل بھائی
دیکھا تو مجسم آدمی زاد
غضب غضب اُس پر می کو آیا
آتشکدے میں خبلاؤ اسکو
تقدیر کے سینے کار خانے
گذرا اسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل فقرہ خام
فردوس میں آئے لیکے اسکو

بولی کہ یہ چور ہے ہمارا
 روح افزا کا ہوا ہے عاشق
 یہ کون سی فہم ہے پیچی جان
 کیونکر ستم اسپر ہو گوارا
 تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
 تک عیب نہ تھا تو اب ہو کیا غار
 سوچی سمجھی رخصتا خدا کی
 شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
 دور از ادب کھلے بصدنگ
 فردوس سے گھر کو آئی وہ حور
 آباد ہوئی وہ یاسین بر
 سیر شب زلف و صبح رخسار
 پھڑکے ہوئے سب ملیں خدا یا

زندہ اُسے پا کے حسن آرا
 قابل یہ جلانے کے ہو فاسق
 بولی وہ بکاؤ کی کہ شربان
 پیاری کا جو اپنے ہو پیارا
 حسن آرا نے کہا بجا ہے
 بولی وہ کہ پھر عبت ہے از سگار
 کیا کہتی وہ دم بخود رنسا کی
 مرسوم تھے جب طرح کے انداز
 دو ساز کرب ملے خوش آہنگ
 شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور
 گلزار جو افسوس میں آ کر
 حاصل ہوئی اُن گلوں کو بیچار
 جس طرح اُنھیں بہم ملا یا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف (۱۳۵۲ھ)

گلزار نسیم نام بنیاد
 توفیق تسبیح رازدیش باد
 ۱۲۵۲ھ

این نامہ کہ خامہ کرو بنیاد
 بشنید و نوید ہائے داد

باتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پور پرائٹر

ناہی پریس لکھنؤ میں چھپی

مارچ ۱۹۲۹ء

۴۹۱۲۹

” غزل درود، غزل غریب آفرین است
عبدالکبیر -
” غزل درود، غزل غریب آفرین است
عبدالکبیر -

DUE DATE

تائی ماہی لکھنؤ

میں پڑھنے کی تائی میں اسے فروخت کر دی ہے
 فروخت کر کے کچھ عرصے کی عورتوں کا کام بھی کیا
 انجام دیا اسے کچھ عرصے کا ایسا ہی پائیہ نہایت
 تائی عورتوں سے چھپائی گئی ہے جو عورت طلبہ کے
 وہاں اس کے لئے کچھ عرصے کے لئے تائی تائی اور
 وہاں تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی
 اس کے لئے تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی
 تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی
 تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی تائی

